علم اور علماء



ساحر لکھنوی

مرثیہ

علم اور علماء

(رثاءِ سیّد العلماءؒ)

سیّد قائم مہدی ساحر لکھنوی

نام کتاب : علم اور علماء (مرثیہ)

مصنف : سید قائم مہدی ساحر لکھنوی
دانش منزل، اے ۳۴۔ بلاک نمبر ۱۳، گلشن اقبال۔ کراچی

نگراں : اختر لکھنوی

کتابت : محمود احمد ناصر

ناشر : قلم نشاں، پاکستان۔ ۱۷۳۴۔ ای۔ اورنگی۔ کراچی۔

طابع : احمد پرنٹرز۔ ناظم آباد۔ کراچی۔

قیمت : ۷۵، روپے

سنہ اشاعت : (پہلی بار) سنہ ۱۹۹۰ء دہلی۔ ہندوستان۔

: (دوسری بار) سنہ ۱۹۹۲ء کراچی۔ پاکستان۔

سرورق : ثابت حسین نقوی / رشید

بسم الله الرحمن الرحیم

فہرست

سرکار سیّد العلماء مولانا سیّد علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ

کے نام

جن کی مجھ جیسے ناچیز سے مشفقانہ محبّت اور ان سے میری
بے پناہ عقیدت اس مرثیہ کی محرک ہوئی!

مولانا عقیل الغروی

جدید مرثیہ

میری بڑی خواہش تھی کہ جناب سیّد العلماء (آیت اللہ مولانا سیّد علی نقی صاحب قبلہ نقوی لکھنوی مرحوم و مغفور) کے حوالے سے کوئی ایسا مرثیہ کہا جائے۔ جس میں خاندانِ اجتہاد کے پورے پس منظر کے ساتھ جناب مرحوم کے حالات اور خصوصیات کسی قدر تفصیل سے نظم ہو جائیں۔ اس سلسلے میں میں نے کئی شعراء کو متوجہ بھی کیا اور دو ایک نے وعدے بھی کیے۔ مگر یہ سعادت جناب ساحر فاخری لکھنوی کے لیے مخصوص تھی تو اسے کوئی دوسرا حاصل بھی کیسے کر سکتا تھا۔

جناب ساحر فاخری لکھنوی، خود اسی خاندان کے جوہر قابل ہیں۔ ان کا اصل نام سیّد ناظم مہدی نقوی ہے۔ ساحر کے نام سے جوہر ذاتی کا اظہار اور فاخری کی نسبت سے شرفِ نسبی کا اعلان تو وہ بجا طور پر کرتے ہیں۔ لیکن لکھنوی لکھنا انہیں کچھ زیب نہیں دیتا۔ جب کہ اب لکھنؤ، وہ لکھنؤ بھی نہیں رہ گیا جس کی طرف نسبت، کوئی واقعی معنوی قدر افزائی کا سبب ہو سکتی۔ اور پھر خود ساحر فاخری

اجتہادی نقوی، نہ صرف یہ کہ ایک عرصے سے کراچی میں مقیم ہیں بلکہ ان کی ولادت بھی اسی شہر کی ہے۔ بس ان کے بچپن کے چند برس لکھنؤ میں گزرے ہیں۔

یہ جملۂ معترضہ اہلِ لکھنؤ کی دل آزاری یا خود جناب ساحر کی خاطر شکنی کا موجب نہ بنے۔ اس لیئے کہ اس کے لکھنے کا محرک کوئی اور ہی خیال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شعورِ تاریخ اور تہذیبِ سخن کے متوازن طور پر ہم آہنگ خمیر سے اٹھی ہوئی ان کی جیتی جاگتی رو پہلی شخصیت ایک آفاقی ادبی بصیرت کا پیکر ہے۔

ساحر کی ادبی بصیرت اور شعری فکر و وجدان کی گہرائی اسی سے ظاہر ہے۔ انہوں نے عرضِ ہنر کے لیئے جملہ اصنافِ سخن میں سے اپنے لیئے "مرثیہ" کا انتخاب کیا۔ وہ معاصر شعراء میں ایک معتبر مرثیہ گو کی حیثیت سے اپنا منفرد مقام رکھتے ہیں۔ اور اب تک بارہ مرثیے تصنیف فرما چکے ہیں۔ کلام کی یہ مقدار کم سہی پھر بھی قابلِ لحاظ ہے جب کہ ان کی زندگی کا ایک عرصہ خاموشی کی نذر ہوا، ایک عرصہ قصیدہ نگاری اور دوسرے اصنافِ سخن کی مشق و ممارست میں صرف ہوا، اور مرثیہ گوئی کی طرف انہوں نے حال ہی میں توجہ فرمائی ہے۔ اور اگر اس عہد کے دوسرے مرثیہ گو شعراء کا جائزہ لیجئے اور کیفیت و کمیت دونوں لحاظ سے ساحر کا اُن سے موازنہ کیجئے تو یہ مقدار کسی صورت کم بھی نہیں ہے۔ بلکہ ساحر کے مراثی، جن میں انیس و اوج کے منفرد اقدار مشترک ہو گئے ہیں، مرثیہ گوئی کی تاریخ میں مراثیِ نسیم کے بعد کی کڑی ہیں۔

جلالِ شعر و جمالِ ادب کے اس دورِ انحطاط و زوال میں جب کہ معاشرے میں شعر و ادب کا رول غیر یقینی سا ہو کر رہ گیا ہے، ساحر مرثیہ گوئی کو اپنا کر انسانیت کی بلاشبہ بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

ساحر کا پیشِ نظر مرثیہ "علم اور علماء" کئی لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے۔ ایک مستقل موضوع پر ہونے کے لحاظ سے یہ ایک جدید مرثیہ ہے۔ جناب سید العلماء کے حوالے سے یہ ایک شخصی مرثیہ ہے، اور ہیئت، اجزائے ترکیبی، عناصرِ معنوی، ساحر کے مخصوص طرز اور ذکرِ واقعۂ کربلا سے لازمی ربط کی بناء پر یہ ساحر کے دوسرے مراثی کی طرح ایک "نوکلاسیکی" مرثیہ ہے۔ انہوں نے یہ بہت کم وقت میں تصنیف فرمایا ہے۔ پھر "شخصی مرثیہ" ہونے کے لحاظ سے قہری طور پر اس میں بیانیہ عنصر غالب ہو گیا ہے اور شعری کیفیات کی کچھ کمی محسوس ہوتی ہے اور اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ شاعر نے اپنے ممدوح کے اوصاف کے بیان میں غلو سے بچنے اور حقیقت کو داستان بننے سے بچانے کی پوری احتیاط مدِنظر رکھی ہے۔ اس کے باوجود مرثیہ جس شان کا ہے اس کی تحسین ہی حدِ ادب ہے۔

جناب سید العلماء پر جہاں بہت سی تقریریں ہوئیں، مضامین لکھے گئے، قطعاتِ تاریخ نظم کیئے گئے وہاں صنفِ مرثیہ کی طرف سے انہیں یہ خصوصی خراجِ عقیدت پیش کیا جانا ضروری تھا۔ اس لیئے کہ اُن مغفور نے جہاں فنِ تقریر میں طرحِ نو ڈالی تھی، فنِ تحریر میں اپنا ایک مخصوص طرز ایجاد کیا تھا، عربی، فارسی اور اُردو میں قطعاتِ تاریخ نظم کیئے تھے وہیں انہوں نے صنفِ مرثیہ پر بھی ایک بڑا احسان کیا تھا کہ اسے اہلِ عرب سے متعارف کرایا، اور انہیں کہ جنہیں اپنے ادبی و شعری روایات پر شروع سے اب تک بڑا ناز رہا ہے، یہ بتایا کہ یہ ایک مخصوص صنفِ سخن ہے جو اربابِ سخن کو اردو کی دین ہے۔ چنانچہ جب سید العلماء نے عربی میں اس صنفِ سخن کا مکمل تعارف لکھا اور بطورِ نمونہ جناب میر انیس سے

مرحوم و مغفور کے شاہکار :

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے

کے ابتدائی تیس بندوں کا جو نمازِ صبح کے تذکرے پر مشتمل ہیں، عربی میں منظوم ترجمہ بھی کیا جس کی خوبی یہ ہے کہ انیس کے ایک ایک مصرع کا ترجمہ عربی کے ایک ایک ہی مصرع میں نظم ہوا ہے اور اردو مرثیہ کی ہیئت یعنی مسدس کی شکل بھی برقرار رہی ہے۔ اس کے علاوہ خود عربی زبان کے شعری محاسن بھی اس میں بدرجۂ اتم جمع ہو گئے ہیں۔ اس ترجمہ کے متعلق ذکر کرتے ہوئے خود جناب سید العلماء نے اپنی مختصر خودنوشت "خودگزشت" میں لکھا ہے کہ :

"ان تیس بندوں کے دیکھنے والے کو تو یہ خیال ہوگا کہ اتنے ہی پر ترجمہ میں ارادۃً اکتفا کی گئی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ارادہ پورے مرثیہ کے ترجمہ کا تھا۔ مگر میر صاحب کی ایک بیت نے قلم ہاتھ سے چھڑا دیا۔ وہ یہ مشہور بیت ہے۔

صندل سے مانگ بچوں سے گودی بھری رہے
یارب رسولِ پاکؐ کی کھیتی ہری رہے

حقیقت یہ ہے کہ اس بیت کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں نہیں ہو سکتا۔"

صنفِ مرثیہ پر جناب مرحوم کا تعارفی مضمون اور یہ ترجمہ ان کے مساعی سے لکھنؤ سے شائع ہونے والے عربی ماہنامہ "الرضوان" جلد نمبر ۴ شمارہ نمبر ۱،۲، بابت محرم و صفر، ۱۳۵۰ھ میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

اس مختصر تعارف میں جناب سید العلماء پر کچھ اور لکھنا میرے لیئے ممکن نہیں ہے۔ اس لیئے کہ یہ "مرثیہ" ادبی کائنات کے سید العلماء نمبر ہی کے ضمیمہ کے طور پر

شائع کیا جا رہا ہے۔ جس پر جناب مرحوم پر میرے تین طویل مضامین موجود ہیں۔ جن میں ان مغفور سے متعلق تقریباً تمام نہیں تو اکثر پہلو ضرور سمٹ کر آ گئے ہیں۔ پھر اس کے علاوہ بھی اس نمبر میں ان کی شخصیت اور ان کے علمی، ادبی اور مذہبی خدمات پر بہت کچھ مواد شامل کیا گیا ہے۔

عقیل الغروی

ڈاکٹر نیر مسعود

علم اور علماء

جناب ساحر فاخری کا تعلق لکھنؤ کے مشہور خاندانِ اجتہاد سے ہے۔ جن کے علمی دینی اور ادبی افادات تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ اِن کے اجداد میں نواب مولوی سیّد اصغر حسین فاخر کے سے شاعر اور سیّد العلماء مولوی سیّد حسین کے سے عالم شامل ہیں۔ اِن بزرگوں کا ورثہ جناب ساحر کو بھی پہنچا ہے اور اجداد کے کمالات اُن کے یہاں مرثیہ گوئی کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ صورتِ اظہار اس خاندانی پس منظر کے لحاظ سے مناسب ترین بھی ہے۔ اس لئے کہ خود صنفِ مرثیہ میں ہمیں علمی، دینی اور ادبی عناصر یک جا نظر آتے ہیں۔

پیشِ نظر مرثیہ جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے، موضوعاتی مرثیہ ہے۔ اس کا ذیلی عنوان "رثائے سیّد العلماء" ہے۔ اور اس میں سب سے زیادہ تفصیل اور

تخصیص کے ساتھ سیّد العلماء مولانا سیّد علی نقی نقوی مرحوم و مغفور کا تذکرہ ہے۔ اس لیئے اس کا شمار شخصی مرثیوں میں بھی ہونا چاہیئے۔ اور چونکہ اس کا اختتام شہادتِ حسینؑ اور مصائبِ اہلِ بیت کے بیان پر ہوا ہے۔ اس لیئے یہ کربلائی رُوایت سے بھی باہر نہیں ہے۔

اس مرثیے کی منصوبہ بندی جناب ساحر کی ماہرانہ سلیقہ مندی کا ثبوت ہے علم کی فضیلت کے تذکرے سے مرثیے کا چہرہ کُھلتا ہے۔ اسی سلسلے میں علمائے سُوء کے چہرے بھی اس طرح بے نقاب کیئے گئے ہیں

حریصِ دولتِ دُنیا مریضِ حرص و ہوس　　حصولِ زر کے لیئے وقف ایک ایک نفس
ملوکیت کی غلامی میں ان کو پیش و پس　　کھلی فضاؤں سے بہتر انہیں جڑاؤ قفس
ملے جو شمر سے زر، اس کو بے قصور کہیں
یزیدِ وقت پکارے تو "جی حُضور" کہیں

اس کے بعد غفرانمآب مولوی سیّد دلدار علی سے قبل کے ممتاز علمائے دین کے حوالے دیتا ہوا مرثیہ غفرانمآب اور ان کی اولاد کے علمی اور دینی کارناموں تک پہنچتا ہے اور اپنے اصل موضوع سیّد العلماء مغفور کی ذات پر مرکوز ہو جاتا ہے۔ جناب ساحر نے کسی بھی قسم کے مُبالغے کے بغیر ہمارے عہد کی اس جلیل القدر علمی شخصیت کے مختلف ملکات کا احاطہ کیا ہے۔ جن لوگوں کو سیّد العلماء کی تقریریں سُننے، تحریریں پڑھنے اور اُن کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ہے وہ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اُن کی غیر معمولی شخصیت اور علمی کارناموں کا متناسب بیان کتنا مشکل کام تھا جسے جناب ساحر نے تقریباً سہلِ ممتنع کے انداز میں انجام دے دیا ہے۔

آخر کے بارہ بندوں میں مصائبِ کربلا کے بیان کے ساتھ مرثیہ اختتام کو پہنچا ہے۔

اِس مرثیے کا موضوع ایسا ہے کہ یہاں نہ تخیّل کی جولانیاں دکھانے کا موقع ہے نہ بیانیہ شاعری کے جوہر ظاہر کرنے کا محل۔ اِسے محض ایک عالمِ دین کا خشک اور بے کیف تعارف نامہ ہو کر رہ جانے سے بچانا آسان نہیں تھا۔ یہ جناب ساحرؔ کا کمالِ فن ہے کہ انہوں نے اس موضوع پر ایسا مرثیہ لکھ دیا جس کی جاذبیت اوّل سے آخر تک نہ صرف برقرار رہتی ہے بلکہ ہر بند کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے۔

خوش قسمتی سے مجھے یہ مرثیہ خود جناب ساحرؔ کی زبان سے ۲۰ مئی ۱۹۹۰ء کو حسینیہ ممتاز العلماء، لکھنؤ کی ایک مجلس میں سُننے کا موقع ملا تھا۔ یہ وہی حسینیہ ہے جہاں سیّد العلماء نے اپنے آخری دَور کی مجلسیں پڑھی تھیں۔ مکانِ مجلس کی اس تاریخی حیثیت اور جناب ساحرؔ کے دلکش اندازِ مرثیہ خوانی نے اُس وقت جو اثر پیدا کیا تھا وہ آج تک تازہ ہے۔ اور اب اسی مرثیے کو مطبوعہ شکل میں پڑھ کر وہ اثر تازہ تر ہو گیا ہے۔

جناب ساحرؔ نامخری صفِ اوّل کے مرثیہ گو اور مرثیہ خواں ہیں "علم اور علماء" اُن کے کمالِ فن کا تازہ نمونہ ہے۔ خداوند تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں تواتر کے ساتھ اُن کے تازہ بہ تازہ شاہکاروں سے بہرہ مند ہونے کا موقع ملتا رہے۔

نیّر مسعود
شعبۂ فارسی، لکھنؤ یونیورسٹی
ادبستان، دین دیال روڈ، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳

پروفیسر ڈاکٹر نعیم تقوی

ساحرؔ لکھنوی کی شائستہ شاعری

جناب ساحرؔ لکھنوی اردو قصیدے کے ایسے قریہ کے مکین ہیں جہاں عصرِ حاضر میں ان کے علاوہ دوسرے فنکاروں کا دھندلا دھندلا سا وجود نظر آتا ہے۔ ان کی تخلیقات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان کے سمعی اور بصری مدرکات کے علاوہ شعور و وجدان کی داخلی کیفیات کا اعتراف بھی ناگزیر ہے۔ زبان کی پاکیزگی، بیان کی شگفتگی اور اسلوب کا تو کلاسیکی رچاؤ بھی جاذبِ اثر ہے۔ انھوں نے صرف مرصع کاری پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ فکر و خیال کی متوازن پختگی اور اظہار و ابلاغ کی شائستگی کے سبب اُن کا کلام حسنِ اعتبار رکھتا ہے۔ جس میں اعتبارِ حسن بھی ہے اور مودّت کی گہری گھلاوٹ بھی۔ میں اپنی انتقادی ذمہ داری کو بروئے کار لاتے ہوئے یہ کہتا ہوں کہ عصرِ حاضر میں ان کا مدِ مقابل قصیدہ نگار ملنا مشکل ہے۔

اِس وقت میرے سامنے جناب ساحرؔ لکھنوی کا ایک معرکتہ الآراء مرثیہ

ہے۔ جس کا عنوان ہے "علم اور علماء" یہ سید العلماء علامہ سید علی نقی نقوی اعلی اللہ مقامہٗ کی رحلت پر لکھا گیا تھا۔ اگرچہ عصرِ حاضر میں بھی کئی شخصی مرثیے لکھے جا چکے ہیں اور ان میں سے بعض ہر اعتبار سے وقیع و رفیع ہیں۔ مولانا قائم رضا نسیم نقوی المتخلص بہ نسیم امروہوی مرحوم و مغفور نے آقائے محسن الحکیم اعلی اللہ مقامہٗ اور شاعرِ انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی مرحوم کے سانحۂ ارتحال پر جو مرثیے لکھے ان کی عظمت بھی تسلیم مگر ساحر لکھنوی نے اس شخصی مرثیے میں علمائے کرام اور ان کی تصانیف کا جس طرح تذکرہ کیا ہے اپنا جواب آپ ہے۔ ساحر لکھنوی کو زبان اور خیال پر قدرت حاصل ہے۔ الفاظ کے خوشنما در و بست اور ان کی معنویت کے حوالے سے بسا اوقات تو سحر کاری کا گمان ہوتا ہے۔ ان کی سحر کاری احقاق الحق اور تازہ کاری سے عبارت ہے۔ ہر چند کہ وہ مخصوص روایت کے امین ہیں مگر ان کے نزدیک جدیدیت کوئی شجرِ ممنوعہ نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کے مرثیوں میں جدید و قدیم کا دلکش امتزاج پایا جاتا ہے۔

عصرِ حاضر کی المناکیاں اور محرومیاں ہمارے سامنے ہیں۔ بے یقینی کے گہرے سائے انسانیت کو ڈس رہے ہیں اور طمانیت مفقود ہے۔ خزاں کی بے رحمی کا ذکر تو ایک طرف اب تو یہ عالم ہے کہ انسان بہار گزیدہ ہے۔ ہر موجِ صبا بھی اس کے لیئے تیغِ آبدار کی طرح جان لیوا ہے۔ گویا بہار اور خزاں کی معنویت یکساں طور پر کرب انگیزی میں ڈھل کر رہ گئی ہے۔ ساحر لکھنوی نے مذکورہ مرثیہ میں ایسے ایسے گوشے بے نقاب کیئے ہیں کہ ایک پژمردہ دل نامِ حسین علیہ السلام لے کر بہار بداماں ہوسکتا ہے۔ اور ہر قسم کی دشواریوں سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اپنے وجود کو منوا سکتا ہے۔

"علم اور علماء" ایک ایسا ارمغان بے بہا ہے جسے پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ مصنّف کی نظر تاریخ و تہذیب پر کس قدر گہری ہے۔ میں تاریخ و تہذیب کے روشن تسلسل کو انسان کی بقاء کا ضامن سمجھتا ہوں۔ اس لیئے مجھے یورپ کی جدیدیت کے باوا آدم KURKE GAURD کے بُنیادی نظریات سے اختلاف ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک انسان کا مسئلہ صرف انسان ہے۔ اور اس نے تاریخ کی نفی کی ہے۔ جب فرد اور معاشرے کی شناخت تاریخی اور تہذیبی تسلسل کے بغیر ممکن نہیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ صرف انسان کو انسان کا مسئلہ قرار دیا جائے اور تاریخ کو نظر انداز کیا جائے۔ مجھے ساحر لکھنوی کی بات پسند آئی کہ وہ تاریخی اور تہذیبی تسلسل کو اہمیت دیتے ہیں۔ انہوں نے "علم اور علماء" میں جس وسعتِ نگاہ سے کام لیتے ہوئے ———— اپنے افکار کا اظہار کیا ہے اس کے حوالے سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جدید مرثیہ نگاری اپنے روایتی آثار و علائم کے ساتھ ساحر لکھنوی جیسے شعراء کے ذریعہ فروغ پا رہی ہے۔ جناب ساحر لکھنوی جتنے نفیس انسان ہیں اتنے ہی عمدہ شاعر بھی ہیں۔ یہ اوصاف اب خال خال نظر آتے ہیں۔ خداوندِ بزرگ و برتر انہیں طویل عمر عطا فرمائے اور توفیقات میں مزید اضافے فرمائے۔ آخر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ بارگاہِ ایزدی میں شکر گزار ہوں کہ خداوند تعالیٰ نے انہیں محسود بنایا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر نعیم تقوی

پروفیسر سید مظفر حسن ظفر جونپوری

کامیاب مرثیہ

عربی میں شاعری کی ابتدا مرثیہ گوئی سے ہوئی ہے۔ عربی شعراء مرنے والے کے اوصاف بڑے مؤثر انداز میں بیان کرتے تھے۔ اور اُس سے اپنے گہرے تعلقات کا اظہار جذبات میں ڈوب کر کرتے تھے۔ دِل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے خیالات، پڑھنے اور سننے والے کو متاثر کرتے تھے۔

اُردو میں مرثیہ ایک نئی صنفِ سخن بن کر اُبھرا۔ اور اس طرح ابھرا کہ دُنیا کی کسی زبان میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس کا سہرا مرزا دبیر کے استاد میر ضمیر، میر انیس کے والد میر مستحسن خلیق اور ان کے عہد کے مستند و معتبر شعراء کے سر ہے۔ اس کے بعد جب میر انیس اور مرزا دبیر کا عہد شروع ہوا تو مرثیے نے تمام ارتقائی منزلیں پلک جھپکنے میں طے کر لیں۔

انیسؔ مرثیہ گوئی کو دے گئے معراج
نہیں دبیرؔ کی عظمت بیان کی محتاج

مرثیے کی استخواں بندی سے لیکر، اجزائے مرثیہ کے تعین تک کے تمام مرحلے اِس طرح طے ہوئے کہ عقل حیران اور پریشان ہے کہ یہ سب کیسے ممکن ہوا۔ اس صنفِ سخن کی آبیاری اور ساخت و پرداخت کربلا کی تشنہ لبی کے تھپیڑ دل اور تپتی ہوئی ریت سے ہوئی۔ مرثیہ نگاروں نے اپنے خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ کر رکھ دیا اور کوئی گوشہ نہیں چھوڑا۔ نتیجتہً یہ برملا کہا جانے لگا کہ اب مرثیہ نگاری میں اضافہ ناممکن ہے۔

اس منزل پر وقت نے کروٹ لی اور جدید مرثیے کی داغ بیل پڑی۔ اسی طرح مرثیہ نگاری کا نیا دور شروع ہوا۔ بڑے بڑے جید شعراء سامنے آئے۔ جیسے آلِ رضا، جمیل مظہری، نسیم امروہوی، نجم آفندی، جوش ملیح آبادی، زیبا ردولوی، کوکب شادانی، صبا اکبرآبادی، ڈاکٹر یاور عباس، رئیس امروہوی، منظر عظیمی، یاور اعظمی، حسین اعظمی، عروج جونپوری، شاہد نقوی، نفیس فتح پوری وغیرہ وغیرہ۔ فہرست بہت طولانی ہے۔ اسی لیئے اسی پر اکتفا کیجاتی ہے۔

موضوع متعین کر لینا اور طبع آزمائی کرنا شعراء کے لیئے آسان ہوا۔ اور حق یہ ہے کہ مرثیہ نگاروں نے اس صنف کو حیاتِ نو بخشی۔ اسی کے ذیل میں شخصی مرثیہ بھی کہا جانے لگا۔ اس منزل میں سب سے نمایاں نام نسیم امروہوی کا ہے۔ مرحوم نے اس میں بڑی کامیابی حاصل کی۔

انہوں نے ناصر الملّت کا مرثیہ کہا۔ آیت اللہ محسن الحکیم کا مرثیہ کہا۔ اور بھی شخصی مرثیے کہے۔ اس میں شک نہیں کہ اُن کی یہ تمام کاوشیں قابلِ صد ستائش

ہیں۔ لیکن وہ حدِ اعتدال کو قائم نہیں رکھ سکے اور غلو کی حد تک پہنچ گئے۔

ساحر لکھنوی نسیم امروہوی کے خاص شاگردوں میں ہیں۔ انہیں کے رنگ میں کہتے ہیں۔ انہوں نے بہت جلد صفِ اوّل کے مرثیہ نگاروں میں ایک ممتاز حیثیت حاصل کرلی ہے۔ اب تک بارہ مرثیے مختلف موضوع پر قلبند کر چکے ہیں اور مجلسوں میں پڑھ کر مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کا سکہ جما چکے ہیں۔ اُن کی شہرت پاکستان سے گزر کر ہندوستان تک پہنچ چکی ہے۔

ساحر لکھنوی کا کمال یہ ہے کہ قوّتِ نظم میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ مافی الضمیر کو الفاظ کا جامہ پہنانا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ لیکن ان کے مرثیوں کو پڑھیئے تو معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ دست بستہ اُن کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں۔ قوّتِ نظم کے ساتھ ساتھ کلام میں اتنی سلاست اور روانی ہے کہ شاید و باید۔

لکھنؤ کی ٹکسالی زبان، علمی و ادبی خانوادے کا ماحول اور ذاتی صلاحیت، ان عوامل نے مِل کر انہیں اس بلندی پر پہنچا دیا ہے کہ حضرت فاخر طاب ثراہ کی رُوح، وجد کرتی ہوگی۔

ساحر لکھنوی نے سیّد العلماء مولانا سیّد علی نقی النقوی مجتہد العصر اعلی اللہ مقامہٗ کا مرثیہ کہا اور حق ادا کر دیا۔ یہ شخصی مرثیہ ہے، لیکن ساحر لکھنوی نے کمالِ فن کے ساتھ اسے عنوان کا تابع کر دیا۔ اور کسی حد تک شخصیت پرستی سے دُور رکھا۔ اس میں کل ۱۳۲ بند ہیں۔ مطلع ہے۔

؎ جب آفتابِ تخیل طلوع ہوتا ہے،

بند نمبر ۶، دیکھئے :

فقیر کی ہے دعا تجھ سے ہر نفس یارب
شکستہ کر دے مرے جہل کا قفس یارب
ہو دل میں علم کی دولت کی وہ ہوس یارب
کبھی نہ "بس" کی صدا آئے لب پہ بس یارب
ترے کرم سے میں اتنا امیر ہو جاؤں
کہ شہرِ علم کے در کا فقیر ہو جاؤں

اس بند میں "جہل کا قفس" بڑی نئی ترکیب ہے۔ لفظِ ہوس کو اس طرح استعمال کیا ہے کہ اس میں بلا کا حُسن پیدا ہو گیا ہے۔

بند نمبر ۷ سے بند نمبر ۱۱ تک "علم" پر مختلف پہلو سے روشنی ڈالی ہے بمثال کے لیئے ایک بند ملاحظہ ہو:

قبا بشر کی ہے تقویٰ، تو اسکا تاج ہے علم
ملک کی بزم میں انسانیت کی لاج ہے علم
مریضِ جہل کا بس ایک ہی علاج ہے علم
خدا پسند، نبیؐ خو، علیؑ مزاج ہے علم
مگر یہ شرط ہے، وہبی کہ اکتسابی ہو
نجف کی خاک سے چمکا ہو، بو ترابی ہو

چوتھے مصرع کی بلندی اور وسعت دعوتِ فکر دیتی ہے۔

علم کے ساتھ ساتھ علماء کا بھی ذکر بڑی خوبصورتی سے کیا ہے۔ مثال کے لیئے ایک بند :

ہے علم عطر، معطر گلاب ہیں علماء
ہے علم بارشِ رحمت، سحاب ہیں علماء
رہیں جہاں میں تو عالیجناب ہیں علماء
انھیں یہاں سے تو جنت مآب ہیں علماء
ہمیں نجات کا رستہ وہی دکھاتے ہیں
انہیں کے نقشِ قدم تا بہ خُلد جاتے ہیں

قابلِ صد احترام علماء کے ذکر کے بعد نام نہاد اور دنیا پرست علماء کا بیان ہے۔ اس مقام پر شاعر کا لہجہ بہت تلخ ہو گیا ہے۔ کاش ایسا نہ ہوتا۔

بند نمبر ۳۲ سے ایسے جلیل القدر علماء کا ذکر ہے کہ جن پر خود علم فخر کرتا ہے۔ اس مرثیے کا یہ حصہ بہت ہی دقیع ہے۔ اسے پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا مطالعہ کتنا وسیع ہے اور تاریخ علماء پر کتنی گہری نظر ہے۔ بند نمبر ۳۵ سے بند نمبر ۴۱ تک متقدمین کا تذکرہ جو شروع ہوتا ہے ابو جعفر محمد ابنِ یعقوب کُلَینی صاحب "کافی" سے اور ختم ہوتا ہے جعفر ابنِ شیخ خضر نجفی صاحب کشف الغطاء پر۔

ایک بند برائے مثال:

اک ان میں شیخ کلینیؒ مصنفِ "کافی" — تھا ایک شیخ صدوقؒ، آبروئے علمِ نبیؐ
مفیدؒ وہ کہ جو استادِ مرتضٰی و رضیؒ — پھر ایک کنزِ فوائد محمد ابنِ علی

وہ شیخ طائفہؒ طوسی، بہارِ علم و عمل
وہ آملیؒ کہ جو تھے اعتبارِ علم و عمل

اس خشک اور بیانیہ حصے کو ساحر کے سحر نگار قلم نے سبد گل فروش بنا دیا ہے۔ بند نمبر ۴۵ سے حضرتِ غفران مآب طاب ثراہ اور خاندانِ اجتہاد کے جیّد علماء کا ذکر ہے۔ یہ حصہ بھی بے مثل و لاجواب ہے۔

مثال کے لیئے دو بند:

انہیں کے دم سے تو آئی وہ لکھنؤ میں بہار — کہ جس سے چہرۂ ملت پہ آج تک ہے نکھار
ہوئی اس ابرِ کرم سے وہ علم کی بوچھار — کہ فیضیاب ہوا جس سے ہر جوار و دیار

یہاں یہ مشک جو مہکا تو بو ختن پہنچی
کھلا یہ پھول تو خوشبو چمن چمن پہنچی

وہ ان کا سلسلۂ درسِ علمِ آلِ نبیؐ — علومِ دیں کی کوئی راہ جس میں بند نہ تھی
زبانِ حال سے شاگرد کہہ رہے تھے سبھی — کہ مدرسہ نہ تھی، اک جامعہ تھی ذات اُن کی
علوم موجزن اتنے کچھ ان کے اندر تھے
وہ جیسے علم کا دریا نہ تھے، سمندر تھے

علماء کے تذکرے میں ساحر نے اس کا التزام رکھا ہے کہ جو عالم، جس مخصوص علم میں یگانۂ روزگار ہے اُس کا بڑی خوبصورتی سے ذکر کیا گیا ہے۔

مثلاً

تھے اُن کے جتنے بھی شاگرد با کمال ہوئے — جو کچھ تھے ماہرِ علمِ کلام مثل اُن کے
تو کچھ ریاضی و ہیئت میں منفرد نکلے — کوئی مناظرے کے فن میں بڑھ گیا سب سے
کسی نے مسندِ علمِ حدیث پائی تھی
کسی کی عالمِ تفسیر میں خدائی تھی

حضرت غفراں مآب طاب ثراہ کی خدمات کا ایک بند میں تذکرہ ملاحظہ کیجیے

وہ درس اور وہ تصانیف وہ فروغِ عزا — رسوم بد کی وہ اصلاح، فقہ کا احیا
وہ دہریت ہو کہ اخباریت کا ہو فتنہ — ہر اک محاذ پہ باطل سے وہ جہاد ان کا
یہ اتنے کام اور اک ذات اسکو کیا کہیئے
بس ایک جذبہ و ہمت کا معجزہ کہیئے

بند نمبر ۴ سے سید العلماء طاب ثراہ کا ذکر ہے۔ مرثیے کا مرکزی حصہ یہی ہے۔ مثلاً،

وہ وہ کہ اسمِ مبارک علی نقی جس کا — وہ اجتہاد کا پیکر، وہ علم کا پتلا
وہ ایک چاند جو برِ صغیر میں چمکا — وہ اک وجود جو بزمِ جہاں کی زینت تھا

چمن میں دہر کے پھول اک کھلا ہوا جیسے
جبینِ وقت پہ جھومر سجا ہوا جیسے

اس بند میں پہلے مصرع کی ابتدا "وہ" سے ہوئی ہے، معنوی اعتبار سے بہت بہتر ہے، لیکن پڑھنے میں زبان لڑکھڑاتی ہے۔

اس حصے میں ساحر کو اپنے قلم پر اختیار نہیں رہا اور وہ یہ بند کہہ گئے۔ یہاں غلو نے بات بگاڑ دی۔

وہ افتخارِ صدوقؒ و کلینیؒ و دوراںؒ
مفیدؒ و مجلسیؒ و طبرسیؒ کی رُوحِ رواں
جنابِ حضرتِ غفراں مآبؒ کا ارماں
وہ خوئیؒ اور خمینیؒ کے پائے کا انساں
وہ نائینیؒ و عراقیؒ کے دل کا چین ہوا
نجف کے حوزۂ علمی کی زیب و زین ہوا

اس بند کا تیسرا مصرع بہت اچھا ہے۔ نظم کے اعتبار سے اور مصرع بھی اچھے ہیں۔ لیکن مفہوم کے اعتبار سے غلو کی حد میں آجاتے ہیں۔

ساحر نے مختلف انداز سے سید العلماء طاب ثراہ کا ذکر کیا ہے اور اپنے فن کا جلوہ دکھایا ہے۔ مثلاً،

وہ ان کا منطق و تاریخ و فلسفے کا شعور
حدیث و فقہ و کلام و ادب پہ ان کا عبور
یہاں سے تابہ کے عرب اور عجم میں تھا مشہور
مگر نہ علم پہ غرّہ نہ عظمتوں پہ غرور
ہے نام ان کا کہ عظمت کا اک جریدہ ہے
جو حرف اس میں ہے وہ آپ کا قصیدہ ہے

عیاں ہے "ع" سے یہ علم کا شباب تھے وہ
لکھا ہے "ل" نے لاریب لاجواب تھے وہ
یقین "ی" کو ہے یکتا دُرِ خوش آب تھے وہ
ہے نقل "ن" سے نایاب و نام یاب تھے وہ

ہے قول "ق" کا قبلہ گہہ زمانہ تھے
ہے "ی" سے یہ کہ وہ اس دور میں یگانہ تھے

یہاں پہنچ کر ساحرؔ نے مولانا کے اوصاف بہت ہی خوبصورت انداز میں بیان کیئے ہیں۔ اُن کے قلم کی جولانی، وہ تقریر میں طاقتِ لسانی، وہ مجتہدانہ گفتگو، وہ عالمانہ رکھ رکھاؤ، وہ ژرف نگاہی، وہ صبر کی متانت، وہ ضبط کی وسعت، وہ شکر کا پھیلاؤ، غرض ہزاد ہیئے سے کامل۔ ایسے یگانۂ روزگار عالم کے ذکر کا حق صرف اسی کو پہنچتا ہے جس کی شاعری پر ساحری کا گمان ہو۔

یہ بند ملاحظہ کیجئے:

خطابت ایسی کہ اغیار بھی مصر ہوں کہ "لا" ؎ نظر عمیق، مضامیں دقیق، بات آساں
فضائل ایسے کہ ایمان ہو دلوں میں جواں ؎ دلائل ایسے کہ تائید کو بڑھے قرآں
زبان وہ کہ فصاحت نثار ہو جائے
مصائب ایسے کہ دل بیقرار ہو جائے

آگے بڑھ کر پھر ساحرؔ جذبات پر قابو نہ پا سکے اور ایسے بند بھی اُن کے قلم سے نکلے جن کی وجہ سے بیان کی آفاقیت مجروح ہو گئی اور مقامی رنگ ابھر آیا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے تھا۔

آخر میں بند نمبر ۱۲۰ سے آخری بند تک مصائب بڑے پُر اثر انداز میں بیان کیئے گئے ہیں۔ ساحرؔ لکھنوی کا یہ مرثیہ بھی اور مرثیوں کی طرح بہت کامیاب ہے۔ اس کی یہ خصوصیت اسے اور نمایاں کرتی ہے کہ شخصی مرثیہ ہونے کے باوجود علم اور علماءؑ کے موضوع پر نہایت کامیاب کاوش ہے۔

ساحرؔ تمام خصوصیاتِ شاعری کے حامل ہیں۔ ہر صنفِ سخن پر دست گاہ رکھتے

ہیں۔ لیکن منقبت اور مرثیے سے عشق کی حد تک لگاؤ ہے۔ جس محفل میں شریک ہوتے ہیں، اپنا رنگ جما دیتے ہیں۔ جس مجلس میں مرثیہ پیش کرتے ہیں، کامیابی اُن کے قدم چومتی ہے۔

ساحر کے مرثیے انفرادیت رکھتے ہیں۔ اُن کا کوئی بند مرثیے کی فضاء سے الگ نہیں ہوتا۔ عہدِ جدید کے نمائندہ شاعر ہونے کے باوجود طرزِ قدیم کی جھلک اُن میں پائی جاتی ہے۔ مگر کمال یہ ہے کہ بڑے سے بڑا نقاد بھی اس کی نشاندہی نہیں کر سکتا۔

وہ پسِ منظر اور پیشِ منظر کو اس طرح ملا دیتے ہیں کہ قاری یا سامع تعریف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ شاعری کی رُوح مجروح نہ ہونے پائے۔

مثلاً اسی مرثیے کا یہ بند ملاحظہ کیجئے۔

اثر میں ڈھل کے دعائیں قبول ہوتی ہیں   دل و نظر کی مرادیں حصول ہوتی ہیں
ورق پہ لکھتے ہی نغمیں جو پھول ہوتی ہیں   دعاؤں کی یہ رسیدیں وصول ہوتی ہیں

اب اس کے بعد قلم جب زبان کھولتا ہے
چہک چہک کے یہ بلبل چمن میں بولتا ہے

آپ کو ماننا پڑے گا کہ یہ بند رنگِ قدیم اور رنگِ جدید دونوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ بات سامنے کی ہے لیکن طرزِ ادائیگی نے اس میں اثر بھر دیا ہے۔

مہکیں ترے گلشن کے گلاب اور زیادہ
آئے ترے شعروں پہ شباب اور زیادہ

پروفیسر سید مظفر حسن ظفر جونپوری
سابق شعبہ اسلامیات، کراچی یونیورسٹی

وحید الحسن ہاشمی

رثاءِ سیّد العلماء (مرحوم)

جدید دَور کے تقاضوں نے اُردو مرثیے کی صنف کو قابلِ اعتنا نہ سمجھا اور از خود یہ سمجھ لیا کہ مرثیہ زوال آمادہ تمدّن کی یادگار ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انیس و دبیر کے بعد مرثیے نے نہ صرف اپنی کہنہ روایات کو باقی رکھا بلکہ اس کے اسلوب میں ایجاد و اختراع اور اس کے لب و لہجہ میں فلسفہ اور استدلال کی بجلیاں سمٹ کر آگئیں۔

آج اُردو شاعری کے مزاج میں نت نئی تبدیلیاں آرہی ہیں۔ سائنس اور مادیت کے نئے تقاضے رُونما ہو رہے ہیں۔ مرثیہ چونکہ عالمی ادب کا نمائندۂ خاص ہے۔ اس لیئے اس کے اسلوب پر بھی دورِ حاضر کا گہرا اثر پڑا ہے۔

مرثیہ کسی دَور کا بھی ہو شخصی بھی تھا اور اجتماعی بھی۔ لیکن انیسویں صدی کے آخر تک اس کا تعلق صرف شہدائے کربلا سے مختص ہو گیا۔ بیسویں صدی کے حصہ نصف تک آتے آتے برصغیر پاک و ہند میں مرثیوں کا ہمالیہ پہاڑ کھڑا ہو گیا۔ جدید دَور کے شعراء کے لیئے ضروری ہو گیا کہ وہ نئی نئی راہیں تلاش کریں۔ چنانچہ شہدائے کربلا کے علاوہ ذاکرینِ شہدائے کربلا کے مرثیے بھی کہے جانے لگے۔ رثاءِ سیّد العلماء مرحُوم ایک ایسے ذاکرِ امامِ حسینؑ کا مرثیہ ہے۔

جس نے اپنی پوری زندگی مقصدِ حسینؑ کی تبلیغ کے لیئے وقف کر دی۔

ساحرؔ لکھنوی نے یہ مرثیہ لکھتے وقت اپنے پیشِ نظر کیا مقاصد رکھے مرثیے میں ان کا ذکر نہیں لیکن مرثیے کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ ذاتی طور پر سید العلماء مرحوم کے فکری نظام اور عقلی استدلال سے بہت متاثر ہیں۔ لکھنؤ میں خاندانِ اجتہاد کے صدہا علما گزرے ہیں۔ لیکن جو بین الاقوامی اہمیت مولانا مرحوم کو حاصل ہوئی شاید کسی کے حصے میں نہ آ سکی ساحرؔ لکھنوی نے اس فضیلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خاندانِ اجتہاد کی پوری تفصیل بیان کر دی۔ اس سے مرثیے کے ہیرو کے علاوہ اس کا خاندانی پس منظر بھی عوام کے سامنے آگیا۔ لیکن عموماً ایسے شخصی مرثیوں میں مواد تو بہت سا مل جاتا ہے لیکن زبان اور اندازِ بیان بوجھل ہو جاتا ہے۔

ساحرؔ لکھنوی اس حقیقت سے واقف تھے۔ انہوں نے زبان کے ساتھ ساتھ پیرایۂ اظہار اتنا دلچسپ کر دیا کہ مرثیہ پڑھتے وقت دل و دماغ کو کسی قسم کی تھکن محسوس نہیں ہوتی۔

مرثیہ پڑھنے کے بعد سب سے پہلے جس چیز پر نظر جاتی ہے وہ سلاست زبان اور اندازِ بیان ہے۔ مرثیے میں ہلکے پھلکے نازک بدن الفاظ کا اجتماع نہایت حسین معلوم ہوتا ہے۔ اسی سلسلے میں روزمرہ اور محاورات کے استعمال نے قارئین کی توجہ کو مرثیے سے دُور نہ ہونے دیا۔

اگر بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو اس مرثیے میں فقط علامہ مرحوم اور خاندانِ اجتہاد ہی کی سرگزشت بیان نہیں کی گئی بلکہ اس مرثیے کے بین السطور میں لکھنؤ کا بھی ایک مرثیہ جھلکتا نظر آتا ہے۔ وہی لکھنؤ جس نے ایسے ایسے چاند ستارے پیدا کیئے آج خود مظلوم و مفلوک الحال ہے۔ ساحرؔ لکھنوی نے اس

نکتے کو اس خوبی سے اندر ہی اندر بیان کیا ہے کہ میری زبان پر فوراً یہ مصرع جاری ہو گیا۔

"آنکھیں زباں نہیں ہیں مگر بے زباں نہیں"

شخصی مرثیے کا ایک بڑا عیب یہ ہے کہ وہ ان حضرات کا تو منظور نظر ہو جاتا ہے جو اس شخصیت سے متاثر ہیں۔ لیکن مرثیہ انہیں مرعوب نہیں کر سکتا جو شخصیت سے یا تو واقف نہیں ہیں یا کسی وجہ سے شخصیت سے اختلاف رکھتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں مرثیہ محبوب و مذموم ہو سکتا ہے۔ ساحر لکھنوی اس راز سے واقف ہیں۔ انھوں نے چہرے میں ایک ایسے مواد سے بحث کی ہے جس سے کسی شخص کو اختلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ علم کو مرثیے کا چہرہ بنانا مرثیے اور مرثیہ نگار دونوں کی عظمت کی واضح دلیل ہے۔

آج جبکہ پاکستان میں ایک نئی زبان وجود میں آ رہی ہے، ساحر لکھنوی نے اُردو زبان کی شیرینی اور دل نوازی کے ایسے ایسے مرقعے اس مرثیے میں پیش کر دیئے ہیں کہ شاعر اور شعر دونوں کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

وحید الحسن ہاشمی

مدیر "پیام عمل" لاہور

تین زاویے

میں ، سیّد العلمأ ، رثأسیّد العلمأ

میں

نام : سید قائم مہدی

عرفیت : جمشید نواب ۔ جس کو بعد میں نوابیت کی زبوں حالی دیکھ کر والدِ ماجد کی نسبت سے جمشید اختر کر لیا ۔

والدِ محترم : نواب سید اختر حسین مصوّر اعلیٰ اللہ مقامہٗ

تخلّص : ابتداً "جمشید" بعد میں ساحر ۔ جب تک لکھنؤ میں رہا جدِامجد استاذالاساتذہ نواب سید اصغر حسین فاخر اعلیٰ اللہ مقامہٗ کی نسبت سے "ساحر فاخری" لکھتا رہا ۔ پاکستان آنے کے بعد اپنی شناخت کے لیے

"ساحرؔ لکھنوی" لکھنا شروع کیا۔ اس لیئے کہ،

معتبر ہے اس قدر نسبت مِری اس شہر سے
میں دیارِ پاک میں ہوں ترجمانِ لکھنؤ

اور اسی حوالے سے ناز کرتا ہوں اپنی زبان پر جس کی کراچی سے لکھنؤ تک داد پاتا ہوں :

کیوں نہ ہو تسنیم و کوثر میں دُھلی میری زباں
حق نے میرے منہ میں رکھ دی ہے زبانِ لکھنؤ

ولادت: سرائے حاجی رحمت اللہ کھارادر کراچی میں جہاں والدین گرامی قدر اور دوسرے افرادِ خاندان زیارتِ مقاماتِ مقدسہ کے لیئے جاتے ہوئے قیام پذیر تھے۔ ظریف لکھنوی مرحوم نے جو میرے والدِ مرحوم کے مختار کار تھے قطعۂ تاریخ کہا :

ظریفؔ بے نوا سے ہاتفِ غیبی یہ کہتا ہے
"سمندر کے کنارے بے بہا گوہر یہ ہاتھ آیا"

یا

"سمندر کے کنارے بے بہا گوہر وہ ہاتھ آیا"

تعلیم : واجبی (ایم اے۔ ایل ایل بی)

پیشہ : ملازمت، ایک بین الاقوامی صنعتی ادارہ میں پرسونل اینڈ ایڈمنسٹریشن کے سربراہ کی حیثیت سے۔

آغازِ مشقِ سُخن : کم عمری میں، عمر یاد نہیں۔

پہلی تخلیق : سلام

اصنافِ سخن : ابتدا سلام سے ہوئی۔ غزل ساتھ ساتھ چلتی رہی جس کو ترک کیئے مدتیں گزر گئیں۔ اب ایک عرصہ سے مرثیہ، قصیدہ و منقبت، سلام و رباعیات پر توجہ ہے۔ قطعاتِ تاریخ بھی شامل کر لیجئے۔

سیّد العُلماء

اسمِ گرامی: سیّد علی نقی نقوی

خطابات : آیت اللہ العظمیٰ، سیّد العُلماء۔

والد ماجد : ممتاز العلماء مولانا سید ابو الحسن اعلی اللہ مقامہٗ۔

ولادت : لکھنؤ۔ ۲۶ رجب ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء

آغازِ تعلیم : عمر کے ساتویں سال نجف اشرف میں روضۂ امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ میں عالمِ متبحر آقائے سید محمد علی شاہ عبد العظیمی نے بسم اللہ کرائی۔

ابتدائی تعلیم : لکھنؤ میں اپنے والدِ بزرگوار سے حاصل کی۔ پھر لکھنؤ کی مشہور دینی درس گاہوں یعنی مدرسۂ ناظمیہ اور سلطان المدارس سے وہاں کے اعلیٰ ترین اسناد حاصل کیئے۔

اعلیٰ تعلیم : ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں تکمیلِ علم کے لیئے عراق و ایران تشریف لے گئے اور اپنے وقت کے عظیم ترین علماء مجتہدین اور مراجع

یعنی آقائے ابوالحسن اصفہانی، آقائے نائینی اور آقائے ضیاء الدین عراقی سے حصولِ علم اور تکمیلِ علم کا شرف حاصل کیا اور اس وقت کے گیارہ (۱۱) عظیم ترین علماء و مجتہدین و مراجع نے علیحدہ علیحدہ اجازۂ اجتہاد عطا فرمایا۔ ہم مکتب طلباء میں عظیم قائد امام انقلاب آقائے خمینی طاب ثراہ بھی شامل تھے اور آج کے عظیم ترین مجتہد اعلمِ دوراں آقائے خوئی مدظلہ العالی سینیئر طالب علم تھے۔

علمی خصوصیات اپنے وقت میں برصغیر ہند و پاک کے مجتہد اعظم، فقیہ، مفسرِ قرآن، محقق، مؤرخ، خطیب، استاد، اہلِ قلم دانشور اور عربی زبان و ادب کے ماہر تھے۔ عربی میں ان کے اشعار کی فصاحت و بلاغت کے عرب اہلِ زبان بھی قائل تھے۔ لکھنؤ یونیورسٹی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے شعبۂ دینیات کے سربراہ اور بعد میں ریسرچ اسکالر کے طور پر وابستہ رہے۔

تصانیف عربی اور اردو میں کوئی تین سو کتب و رسائل جن میں تفسیرِ قرآن اور تاریخِ اسلام بھی شامل ہے۔

وفات لکھنؤ، شبِ عید الفطر ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۹۸۸ء۔

رثاء سید العلماء

مرثیہ لغت کے اعتبار سے اس نظم کو کہتے ہیں جس میں مرنے والے کے اوصاف نظم کیے جائیں۔ مگر اردو میں اصطلاحاً مرثیہ واقعاتِ کربلا اور مصائبِ محمد و آلِ محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام سے مخصوص ہو گیا ہے۔ اب

پیش کیا۔ اس کا مطلع ہے :

"طغریٰ نویس کن فیکوں ذوالجلال ہے"

یہ مرثیہ "دفترِ ماتم" کی پہلی جلد کا پہلا مرثیہ ہے۔

اس کے بعد مرزا دبیر کے شاگرد حکیم محمد علی قدیر نے اور مشیر نے بھی جناب غفرانمآب علیہ الرحمۃ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے سید العلماء مولانا سید حسین صاحب اعلی اللہ مقامہٗ کے انتقال پر مرثیے لکھے۔ اسی طرح نوبت رائے نظر نے اپنے بیٹے کے انتقال پر مرثیہ لکھا جو شخصی مرثیوں میں نہایت اہم اور نہایت بلند ادبی و شعری اقدار کا حامل ہے یہ سب مرثیے مسدس ہی کی ہیئت میں لکھے گئے تھے۔

بعد کے دور میں شخصی مرثیہ نگاری میں شاعرِ آلِ محمد نسیم امروہوی مرحوم کا نام سب سے اہم ہے۔ انہوں نے جناب ناصر الملت اعلی اللہ مقامہٗ سے لے کر جوش ملیح آبادی تک متعدد مشاہیر کے مرثیے لکھے۔

رثاءِ سید العلماء میری ایک ناچیز سی کوشش ہے جس میں میں نے "علم اور علماء" کو موضوعِ سخن قرار دیا ہے۔ یہ مرثیہ ۱۹۹۰ء میں مکتبہ کائنات دہلی نے کتابی شکل میں شائع کیا۔ اس کے بعد "پیامِ عمل" لاہور کے سید العلماء نمبر میں اسی سال شائع ہوا۔ مکتبۂ کائنات دہلی نے اپنے رسالے "ادبی کائنات" کے سید العلماء نمبر میں بھی اس کو شائع کرنیکا ارادہ ظاہر کیا ہے۔

سب سے پہلے یہ مرثیہ میں نے محترم جناب سید محمد حسین آغا (مرحوم) کے دولت کدہ کاشانۂ عظمت" ناظم آباد کراچی میں ان کی بپا کردہ مجلس میں پیش کیا۔ وہ سرکار سید العلماء طاب ثراہ سے دلی قربت رکھتے تھے۔

پیش کیا۔ اس کا مطلع ہے :

"طغرئ نویس کن فیکوں ذوالجلال ہے"

یہ مرثیہ "دفترِ ماتم" کی پہلی جلد کا پہلا مرثیہ ہے۔

اس کے بعد مرزا دبیر کے شاگرد حکیم محمد علی قدیر نے اور مشیر نے بھی جناب غفرانمآب علیہ الرحمۃ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے سید العلماء مولانا سید حسین صاحب اعلی اللہ مقامہٗ کے انتقال پر مرثیے لکھے۔ اسی طرح نوبت رائے نظر نے اپنے بیٹے کے انتقال پر مرثیہ لکھا جو شخصی مرثیوں میں نہایت اہم اور نہایت بلند ادبی و شعری اقدار کا حامل ہے یہ سب مرثیے مسدس ہی کی ہیئت میں لکھے گئے تھے۔

بعد کے دَور میں شخصی مرثیہ نگاری میں شاعر آلِ محمد نسیم امروہوی مرحوم کا نام سب سے اہم ہے۔ انہوں نے جناب ناصر الملت اعلی اللہ مقامہٗ سے لے کر جوش ملیح آبادی تک متعدد مشاہیر کے مرثیے لکھے۔

رثائے سید العلماء میری ایک ناچیز سی کوشش ہے جس میں میں نے مدعلم اور علماء کو موضوعِ سخن قرار دیا ہے۔ یہ مرثیہ ۱۹۹۰ء میں مکتبہ کائنات دہلی نے کتابی شکل میں شائع کیا۔ اس کے بعد "پیامِ عمل" لاہور کے سید العلماء نمبر میں اسی سال شائع ہوا۔ مکتبۂ کائنات دہلی نے اپنے رسالے "ادبی کائنات" کے سید العلماء نمبر میں بھی اس کو شائع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔

سب سے پہلے یہ مرثیہ میں نے محترم جناب سید محمد حسین آغا (مرحوم) کے دولت کدہ "کاشانۂ عظمت" ناظم آباد کراچی میں ان کی برپا کردہ مجلس میں پیش کیا۔ وہ سرکار سید العلماء طاب ثراہ سے دلی قربت رکھتے تھے۔

اور ان کے بڑے چاہنے والوں میں سے تھے۔ سرکار سید العلماء بھی ان سے بہت محبت فرماتے تھے۔ اس کے بعد ماہ مئی ۱۹۹۰ء میں یہ مرثیہ میں نے لکھنؤ میں سرکار سید العلماء کی برسی کے مجالس کے سلسلہ کی آخری مجلس میں ان کے صاحبزادے اور جانشین جناب عماد العلماء علامہ ڈاکٹر سید علی محمد صاحب قبلہ مدظلہ العالی اور متعدد علماء و شعراء و محققین و اہل نظر حضرات کے سامنے پیش کیا۔

بعض احباب اور کرم فرماؤں خصوصاً حضرت ظفر جونپوری مدظلہ العالی حضرت اختر لکھنوی اور حضرت حسین اعظمی کے اصرار پر اب اس مرثیہ کا دوسرا ایڈیشن کراچی سے شائع ہوا ہے۔

اظہارِ تشکر

اس مرثیہ کی اشاعت کے سلسلے میں جن حضرات و احباب کا خاص طور سے ممنون ہوں ان میں حضرت علامہ عقیل الغروی مدظلہ العالی اور ان کے برادر عزیز حضرت علامہ ذیشان ہدایتی مدظلہ العالی اور جناب محمود نقوی مدظلہ کے اسمائے گرامی سرِفہرست ہیں جنہوں نے دہلی سے اس مرثیے کی اشاعت کا اہتمام فرمایا اور اول الذکر نے اس کا تعارف تحریر فرمانے کی زحمت کی۔ اسی طرح محترم ڈاکٹر نیر مسعود صاحب قبلہ استاد شعبہ اردو و فارسی، لکھنؤ یونیورسٹی، محترم ڈاکٹر نعیم تقوی صاحب قبلہ، استاد شعبۂ اردو کراچی یونیورسٹی ، محترم پروفیسر مظفر حسن صاحب ظفر جونپوری مدظلہ العالی، سابق استاد جامعہ کراچی، اور محترم جناب وحید الحسن ہاشمی، مدیر اعزازی ماہنامہ "پیام عمل" لاہور جنہوں نے اس مرثیے پر اپنے گرانقدر تبصرے تحریر فرما کر میری عزت افزائی

فرمائی اور حضرت اختر لکھنوی مدظلہ، جنہوں نے اس مرثیہ کی اشاعتِ نو کا پورا اہتمام اپنے ذمہ لیا۔ کتابت سے لے کر پروف ریڈنگ اور جتنے بھی مرحلے اشاعت کی تکمیل تک ہیں سب کی ذمہ داری قبول کر کے مجھ کو تمام زحمتوں سے یک دوش کر دیا اور اس سلسلہ میں جتنی پر خلوص اور بے غرضانہ محنت اور بھاگ دوڑ کی ہے وہ شکریہ کی منزل سے بہت بلند ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر وہ یہ ذمہ داریاں اپنے سر نہ لیتے تو اس مرثیہ کی دوبارہ اشاعت ممکن ہی نہ تھی۔ بہر حال محض رسماً نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے میں ان کا اور مذکورہ بالا تمام کرم فرماؤں کا شکر گزار ہوں۔

ان حضرات کے علاوہ میں ایک تو اپنے برادرِ خورد سید ثابت حسین نقوی عرف حضور نواب سلمہٗ کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کے سرورق کے ڈیزائن کا خوبصورت آئیڈیا تخلیق کیا اور اس کا خاکہ بنا کر دہلی سے بھیجا۔ اسی کی بنیاد پر جنابِ رشید نے سرورق کا ڈیزائن بنایا۔

سب سے آخر میں سب سے اہم شخصیت جن کا شکریہ ادا کرنے کے لیئے میرے پاس الفاظ نہیں اور شاید اپنی خوردی اور ان کی بزرگی کی بناء پر یہ مجھ کو زیب بھی نہ دیتا ہو، جدِ گرامی قدر، محققِ یگانہ، محترم جناب مولانا سید محمد باقر صاحب شمس مدظلہ العالی کی ہے۔ جنہوں نے اس مرثیہ کی تکمیل کے سلسلے میں خاندانِ اجتہاد سے متعلق گرانقدر معلومات فراہم کیں اور مشفقانہ مشوروں سے رہنمائی فرمائی۔ میں انکا ممنونِ کرم ہوں اور ان کی شفقتوں کی دولت سے مالامال بھی۔

سید قائم مہدی ساحر لکھنوی

دانش منزل۔ ۱۳/۴۲-اے۔ گلشن اقبال۔ کراچی

جب آفتابِ تخیّل طلوع ہوتا ہے

۱۳۳ـ بند و لِ پرمشتمل شخصی مرثیہ

(۱)

جب آفتابِ تخیّل طلوع ہوتا ہے
سفر خیال و ہُنر کا شروع ہوتا ہے
قلم بھی محوِ سجود و رکوع ہوتا ہے
یونہی نہیں بخضوع و خشوع ہوتا ہے

صریرِ کِلک دُعا بن کے جو ابھرتی ہے
تو شہرِ فکر میں اک روشنی اترتی ہے

(۲)

اثر میں ڈھل کے دعائیں قبول ہوتی ہیں
دل ونظر کی مرادیں حصول ہوتی ہیں
ورق پہ لکھتے ہی لفظیں جو پھول ہوتی ہیں
دعاؤں کی یہ رسیدیں وصول ہوتی ہیں
اب اس کے بعد قلم جب زبان کھولتا ہے
چہک چہک کے یہ بلبل چمن میں بولتا ہے

(۳)

مگر نظر میں ہو جب علم کی کوئی منزل
تو آن پڑتی ہے اس راہ میں بڑی مشکل
لرزنے لگتا ہے سینہ میں خود بخود مرا دل
یہ سوچتا ہوں، بھلا میں کہاں ہوں اس قابل
یہ بات عام روش کے خلاف کرتا ہوں
میں اپنے جہل کا خود اعتراف کرتا ہوں

(۴)

مگر یہی تو روایت ہے اب زمانے کی
جو خود ہیں بھٹکے ہوئے بن گئے ہیں وہ ہادی
ہر ایک جاہلِ مطلق ہے وقت کا طوسیؒ
بغیرِ علم کا عالم ہے، مفت کا مفتی
خدائے پاک! یہ کیسا عجب زمانہ ہے
زبانِ جہل ہے اور علم کا فسانہ ہے

(۵)

پھر آج ہوں سرِ منبر میں گو بفضلِ خدا
مگر ہے پھر وہی منزل اور امتحان مرا
کہ آج ہے مرا موضوع "علم اور علماء"
پھر آج بارِ الٰہا یہی ہے تجھ سے دُعا
یہ میرے جہل کا کشکول علم سے بھر دے
مجھے سلیقۂ عرضِ ہنر عطا کر دے

(۶)

فقیر کی ہے دعا تجھ سے ہر نفس یارب!
شکستہ کر دے مرے جہل کا قفس یارب!
ہو دل میں علم کی دولت کی وہ ہوس یارب
کبھی نہ "بس" کی صدا آئے لب پہ بس یارب
ترے کرم سے میں اتنا امیر ہو جاؤں
کہ شہر علم کے در کا فقیر ہو جاؤں

(۷)

وہ شہر جس کے خد و خال کا سنگار ہے علم
وہ باغ جس کی مہکتی ہوئی بہار ہے علم
وہ جس کے در کے فقیروں کا اعتبار ہے علم
وہ جس کے قنبر و فضہ کا بھی وقار ہے علم
بشر کو ایسی بلندی وہاں سے ملتی ہے
یہ وہ زمین ہے جو آسماں سے ملتی ہے

۸

یہاں یہ جہل، وہاں بے حد و حساب ہے علم
جو اس افق کی ہے زینت وہ آفتاب ہے علم
ملے وہاں سے تو اک ساغرِ شراب ہے علم
وہیں کا ایک مہکتا ہوا گلاب ہے علم
ہو ایک حرفِ سلونی تو بے حساب ہے یہ
عطائے دستِ سخائے ابوتراب ہے یہ

۹

قبا بشر کی ہے تقویٰ، تو اس کا تاج ہے علم
ملک کی بزم میں انسانیت کی لاج ہے علم
مریضِ جہل کا بس ایک ہی علاج ہے علم
خدا پسند، نبیؐ خو، علیؑ مزاج ہے علم
مگر یہ شرط ہے، وہبی کہ اکتسابی ہو
نجف کی خاک سے چمکا ہو، بوترابیؑ ہو

(۱۰)

جہانِ ظلم میں انسانیت کی آس ہے علم
بشر کی عظمت و توقیر کی اساس ہے علم
قبائے فکر و ہنر، عقل کا لباس ہے علم
ہے ناشناسِ خدا جہل، حق شناس ہے علم
کبھی یہ دامنِ گل ہے کبھی گلاب ہے یہ
کبھی کتاب، کبھی صاحبِ کتاب ہے یہ

(۱۱)

جو نور دیتا ہے عقلوں کو وہ چراغ ہے علم
جلائے ذہن ہے، تابائیٔ دماغ ہے علم
ہے جس میں بادۂ تحقیق، وہ ایاغ ہے علم
سجا ہے وحی کے پھولوں سے جو وہ باغ ہے علم
خطیبِ بزمِ "سلونی" کے سر کا تاج بھی ہے
نبیؐ کی طبع بھی، قرآن کا مزاج بھی ہے

(۱۲)

ہے آفتاب جو علم، اس کا نور ہیں علماء
ضیائے علم کا حُسنِ ظہور ہیں علماء
جو علم بادۂ حق ہے، سُرور ہیں علماء
ہے علم غیرتِ انساں، غیور ہیں علماء
یہ عالموں ہی کے خونِ جگر سے پلتا ہے
جبھی تو پیکرِ انساں میں عِلم ڈھلتا ہے

(۱۳)

جہاں میں قابلِ صد احترام ہیں علماء
بلند رتبہ و عالی مقام ہیں علماء
خدا کا خلق پہ لطفِ دوام ہیں علماء
افق پہ علم کے ماہِ تمام ہیں علماء
وہ جن کے نور کے آگے قمر بھی ماند لگے
انہیں سے علم کی دنیا کو چار چاند لگے

(۱۴)

بے علم عطر، معطر گلاب ہیں علماء
بے علم بارشِ رحمتِ سحاب ہیں علماء
رہیں جہاں میں تو عالی جناب ہیں علماء
اٹھیں یہاں سے تو جنت مآب ہیں علماء
ہمیں نجات کا رستہ وہی دکھاتے ہیں
انہیں کے نقشِ قدم تا بہ خلد جاتے ہیں

(۱۵)

مگر چمن میں فقط گل نہیں ہیں خار بھی ہیں
ہیں باغبان، تو کچھ دشمنِ بہار بھی ہیں
صنم پرست، بظاہر صنم شکار بھی ہیں
اسیرِ گیسوئے لیلائے زر نگار بھی ہیں
جو نام کے علماء مال و زر پہ مرتے ہیں
وہ ہیں نہیں، علماء کا سوانگ بھرتے ہیں

(۱۶)

بہت سے گزرے ہیں عالم کے بھیس میں جاہل
بہت سے دیکھے ہیں منصف کی شکل میں قاتل
کہیں پہ موجۂ طوفاں بھی صورتِ ساحل
کہیں لٹیرے ہوئے رہنماؤں میں شامل
وہ جن کے قول و عمل، رات اور تھے، دن اور
تھی ان کی ظاہری صورت کچھ اور، باطن اور

(۱۷)

ہیں ثبت آج بھی تاریخ کے ورق پہ وہ نام
جو عالموں کے بادے میں نفس کے تھے غلام
ملوکیت نے کھلایا جو ان کو مالِ حرام
تو بس شریعت و دیں سب کو دور ہی سے سلام
شہنشہی سے جو رشتہ کو استوار کیا
فقیہہِ شہر نے فتوؤں کا کاروبار کیا

(۱۸)

علیؑ کی آلؑ کے دشمن، ملوکیت زادے
تھے نقشِ پائے سلاطین ہی جن کے سجادے
ہوس نگاہ میں، قدموں میں حرص کے جادے
نحیف شانوں پہ فتووں کی گٹھریاں لادے
کبھی وہ خود کو دکانیں سجا کے بیچتے تھے
کبھی وہ دین کو پھیری لگا کے بیچتے تھے

(۱۹)

حریصِ دولتِ دنیا، مریضِ حرص و ہوس
حصولِ زر کے لیئے وقف ایک ایک نفس
ملوکیت کی غلامی میں ان کو پیش نہ پس
کھلی فضاؤں سے بہتر انہیں جڑاؤ قفس
ملے جو شمر سے "زر" اس کو بے قصور کہیں
یزیدِ وقت پکارے تو "جی حضور" کہیں

(۲۰)

پسند تھی جو سلاطینِ وقت کی خاطر
کہاں کا کلمۂ حق پیشِ حاکمِ جابر
اشارہ کرتے جو شاہانِ فاسق و فاجر
حدیثیں گڑھتے تھے وضعِ حدیث کے ماہر

جو حاکموں کی ہو خواہش، بحال کرتے تھے
بہن کو، بیٹی کو، سب کو حلال کرتے تھے

(۲۱)

ہیں کتنے وہ جو تھے کرسی نشین درباری
تھا کام جن کا فقط تاج سے وفاداری
لگی تھی دل کو جو کبر و حسد کی بیماری
تھیں قد بڑھانے پہ صَرف انکی قوتیں ساری
امامِ وقت کو اپنے سے کم بتاتے تھے
یہ اور بات کہ ہر بار منہ کی کھاتے تھے

۱؎ مثلاً یحیٰی ابنِ اکثم کی بحث امام محمد تقی ؑ سے۔ جبکہ امام نہایت کم عمر تھے اور یحیٰی ابنِ اکثم کو خیال تھا کہ اس عمر میں روزے نماز کے چند مسائل کے علاوہ کچھ نہ جانتے ہوں گے اور اس جیسے عالم فاضل سے کیا بحث کریں گے۔ لیکن گفتگو کی ابتدا ہوتے ہی قلعی کھل گئی اور یحیٰی ابنِ اکثم کو ذلت آمیز شکست ہوئی۔

(۲۲)

ابوؔالکلام کے اس قول میں ہے صدق کی ضَو

کہ جن کے خون میں دُنیا پرستیوں کی ہے رَو

سگانِ دہر ہیں، عالم نہیں ہیں وہ کج رَو

ذرا جو پھینکیئے ہڈی تو دیکھیئے "عَو عَو"

جو عاجزی سے سرِ خاک سر کو دَھرتے ہیں

وہ ہڈی ملتے ہی پنجوں کو تیز کرتے ہیں

لہ مولانا ابوالکلام آزاد کی ایک تحریر سے اقتباس جو حسبِ ذیل ہے اور علماء سوءؒ کے بارے میں ہے
__علماء سوء__ "سانپ اور بچھو ایک سوراخ میں جمع ہو جائیں گے لیکن علماء دنیا پرست ایک جگہ اکٹھا نہیں ہو سکتے۔ کتوں کا مجمع ویسے تو خاموش رہتا ہے۔ لیکن اِدھر قصائی نے ہڈی پھینکی اور اُدھر ان کے پنجے تیز اور زہر آلود ہو گئے۔ یہی حال ان سگانِ دُنیا کا ہے۔ ان کا سرمایۂ ناز علمِ حق نہیں ہے جو تفرقہ مٹاتا اور اتباعِ سبیل متفرقہ کی جگہ ایک ہی صراطِ مستقیم پر چلاتا ہے۔ بلکہ یکسر علمِ جدل و خلاف ہے نفس پرستی اس کی کثافت کو خمیر دیتی اور دنیا طلبی کی آگ اس کی ناپاکی کے بخارات کو اور زیادہ تیز تر کرتی رہتی ہے"

حوالہ "مولانا ابوالکلام آزاد نے برصغیر پاک و ہند (بنگلہ دیش) کے بارے میں کیا کہا تھا؟"
مرتبہ کمال

(۲۳)

یزیدِ نحس نے قتلِ حسینؑ کو پوچھا
کہا۱ یہ ہو نہیں سکتا کبھی قسم بخدا
جو مالِ مفت سے منفتی کا بھر دیا کیسا
تو جھٹ سے دے دیا قتلِ حسینؑ کا فتویٰ
تھے عالم ایسے کہ جانِ علیؑ کو قتل کیا
قلم کی دھار سے سبطِ نبیؐ کو قتل کیا

۱ قاضی شریح جس نے — یزید کی خواہش کے برعکس پہلے تو قتلِ حسینؑ کا فتویٰ دینے سے انکار کر دیا مگر جب اسکو دکھا کے سونے کے سکے گنے جانے لگے یا بروایت دیگر خاموشی سے دو تھیلیاں اسکے گھر بھجوا دی گئیں تو بلا تردد قتلِ حسینؑ کا فتویٰ دے دیا۔ اسی طرح اور بھی تھے۔

(۲۴)

ہے جو بھی عالمِ سُوء اس میں ہے یہ خصلت بھی
جو حق پہ ہیں علماء اُن سے ہے عداوت بھی
خود اس کا علم جہالت بھی جاہلیّت بھی
شرافت اس میں جو ڈھونڈو تو شر بھی آفت بھی
ہے سب سے رنج کی یہ بات سارے قصّے میں
حسد ہے سب سے سوا عالموں کے حِصّے میں

(۲۵)

حسد ہی علم کی منزل میں ہے فساد کی جڑ
ہے عالمانِ حقیقی سے یہ عناد کی جڑ
یہ کاٹ دیتا ہے انصاف و عدل و داد کی جڑ
اکھاڑ پھینکتا ہے لطف و اتحاد کی جڑ
جلن حسد کی یہ انسان کو جلاتی ہے
کہ آگ سوکھی ہوئی لکڑیوں کو کھاتی ہے

(۲۶)

حسد نے علم کو یوں کر دیا ہے زار و زبوں
ہر ایک جاہلِ مطلق بنا ہے افلاطوں
ہے چیونٹی کو بھی دعویٰ کہ میں سلیماں ہوں
زمیں کے اَنخڑوں کو دیو قامتی کا جنوں
گزوں سے ناپتے ہیں اپنا قد جو بَونے ہیں
حسد کے ہاتھ میں مٹی کے یہ کھلونے ہیں

(۲۷)

یہی ہیں دین کو دنیا میں ڈھالنے والے
حرام مال سے نفس اپنا پالنے والے
حسد کی آنچ پہ خود کو اُبالنے والے
ہر اہلِ علم پہ کیچڑ اچھالنے والے
یہ کیوں کہوں، نہیں ہوتے، حضور ہوتے ہیں
ہر ایک دَور میں ایسے ضرور ہوتے ہیں

(۲۸)

وہ وقت جب نگہِ پیش بینِ پیغمبرؐ
بصد ملال و الم دیکھتی تھی یہ منظر
لباسِ علم میں ملبوس ہو کے کچھ بندر
سمجھ کے کھیل اسے کودتے ہیں منبر پر
یہ پیش گوئی جو پیغمبری بصیرت ہے
ہمارے واسطے تاریخ کی حقیقت ہے

(۲۹)

یہ وارثانِ ابو جہل، علم کے دشمن
فساد پیشہ، ستمگر، حریص، اہلِ فتن
ہوئے تھے مست جو سکوں کی سن کے یہ کھن کھن
نثار کرتے تھے لیلائے زر پہ سب تن من
حدیں وہ دین فروشی کی ختم کرتے تھے
علیؑ پہ منبروں سے سب و شتم کرتے تھے

(۳۰)

علیؑ پہ ہو کہ علیِ نقیؑ پہ ہو یہ ستم
خلافِ مرضیٔ مولا ہے ، یاد رکھیں یہ ہم
عدو پہ شتم جو صفین میں ہوا کوئی دم
گوارا کر نہ سکے آپ اسے خدا کی قسم
علیؑ کی راہ سے ہٹتے ہیں ، بد نصیب ہیں لوگ
خدا کے قہر سے ڈرتے نہیں عجیب ہیں لوگ

(۳۱)

علیؑ کے ساتھ جنہوں نے کیا یہ ظلم و ستم
خدا نہ بخشے گا ہرگز انہیں ، خدا کی قسم
روا رکھے جو یہ ظلم اہلِ علم پر کوئی دم
سوائے اس کے بھلا اسکو کیا کہیں اب ہم
جو نائبانِ امامِ زماں پہ شتم کرے
ہدایت اس کو خدا دے کہ ظلم ختم کرے

لے نہج البلاغہ ۔ خطبہ ۲۰۴

(۳۲)

زمانہ جہل سے خالی نہ علم سے خالی
ہیں ساتھ ساتھ زمانے میں پست اور عالی
جو اس چمن کی بہت سوں نے کی ہے پامالی
تو ہیں بہت چمنِ علم و عدل کے مالی
ملوکیت کے بہت سے اگر غلام ہوئے
تو وہ بھی کم نہیں جو نائبِ امام ہوئے

(۳۳)

وہ وہ ہیں جن سے ہے قائم وقارِ علم و عمل
وہ جن کا علم و عمل ہے عیارِ علم و عمل
وہ باغِ علم و عمل میں بہارِ علم و عمل
ہے جن کے نور سے روشن دیارِ علم و عمل
زمانہ ان پہ کوئی حرف لا نہیں سکتا
عدو بھی نام کو دھبہ لگا نہیں سکتا

(۴۴)

وہ سیکڑوں ہیں ہوئے ہیں جو افقہ و اعلم
رہے محیط جو صدیوں پہ مثلِ ابرِ کرم
سبھی کے نام گنائے، کہاں کسی میں یہ دم
ہیں چند نام مثالاً یہاں سپردِ قلم

یہ صرف وہ ہیں جو کہنے کو تھے ابھی کل تک
تھے تیرھویں صدی ہجری کے رُبعِ اوّل تک

(۳۵)

اک ان میں شیخ کلینیؒ[۱] مصنفِ "کافی"
تو ایک شیخ صدوقؒ[۲]، آبروئے علمِ نبیؐ
مفیدؒ[۳] وہ کہ جو استاد مرتضیٰؒ[۴] و رضیؒ[۵]
پھر ایک کنزِ فوائد[۶] "محمدؒ ابنِ علی"
وہ شیخِ طائفہ طوسیؒ[۷]، بہارِ علم و عمل
وہ آملیؒ[۸] کہ جو تھے اعتبارِ علم و عمل

۱۔ شیخ الاسلام ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق رازی کلینی صاحب اصول کافی۔ (وفات ۳۲۹ھ)
۲۔ شیخ صدوق محمد بن علی بن بابویہ قمی۔ (وفات ۳۸۱ھ) ۳۔ شیخ مفید ابوعبداللہ محمد ابن محمد بن نعمان۔ (وفات ۴۱۳ھ) ۴۔ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ۔ ۵۔ سید رضی (جامع نہج البلاغہ)
۶۔ ابوالفتح محمد بن علی صاحبِ کتاب "کنز الفوائد" (وفات ۴۴۹ھ)
۷۔ شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن حسن بانی جامع نجف اشرف مصنف تہذیب الاحکام واستبصار وغیرہ (وفات ۴۶۰ھ)
۸۔ شیخ ابوجعفر محمد بن ابی القاسم آملی طبری (وفات ۵۴۰ھ)

(۳۶)

وہ بو علیؒ کہ جو اک "مجمع البیان" ہوئے
ابو المکارمِ حمزہؒ، حلب کی جان ہوئے
انہیں میں اک بن ادریسؒ حق نشان ہوئے
پھر ان کے بعد ابو الفضلؒ قم کی شان ہوئے
انہیں میں وہ بنِ طاؤسؒ جانِ علم و عمل
کرامتوں سے بڑھی جن کی شانِ علم و عمل

۱۔ الشیخ الفقیہ ابو علی الفضل بن الحسن طبری مشہدی صاحب تفسیر "مجمع البیان" (وفات ۵۴۸ھ) ۲۔ ابو المکارم حمزہ بن علی حلبی (وفات ۵۸۵ھ)۔ ۳۔ شیخ ابن ادریس محمد ابن احمد حلی (وفات ۵۹۸ھ) ۴۔ شیخ اجل ابو الفضل شاذان قمی مدنی (وفات ۶۱۸ھ) ۵۔ صاحب الکرامات السید الحسنی والحسینی رضی الدین بن طاؤس (وفات ۶۶۴ھ)

(٣٧)

پھر اک محققِ طوسیؔ[1]، کلام میں جو کلیم
تھے جن کے بعد وہ جعفرؔ[2] بنِ حسن سے زعیم
"شرائعؔ"[3] جن کی ہوئی فقہ کی کتب میں عظیم
انہیں کے بعد وہ حلّیؔ[4] جو واجبُ التکریم
پھر ان کے بعد دل و جانِ علم کاشانیؔ[5]
بہ فیضِ نامِ علیؔ، شانِ علم کاشانی

1۔ استاذالبشر شیخ الاسلام خواجہ نصیر الدین طوسی کاظمینی محقق، فلسفی، متکلم (وفات سنہ ۶۷۳ھ)۔
2۔ شیخ الفقہا جعفر بن حسن مصنف کتاب شرائع الاسلام (وفات سنہ ۶۷۶ھ)۔
3۔ کتاب "شرائع الاسلام"
4۔ آیت اللہ المطلق شیخ جمال الدین علّامہ حلّی (وفات سنہ ۷۲۶ھ)
5۔ نصیر الدین کاشانی، علی بن محمد (وفات سنہ ۷۵۵ھ)

(۳۸)

محمد ابنِ حسنؒ[1] اک محققِ عالی

تھے ایک اور جو تھے ابنِ قاسم نجفیؒ[2]

شہیدِ[3] اوّلِ محروق ان کے بعد وہی

کہ جن سے فقہ نے "لمعہ"[4] کی روشنی پائی

شہیدِ ثانیؒ[5] حق پہ ستم مزید ہوئے

انہوں نے شرح لکھی اس کی اور شہید ہوئے

۱۔ فخر المحققین محی الدین محمد بن حسن۔ (وفات سنہ ۶۷۶ھ)

۲۔ تاج الدین السید المؤید الجلیل عالم انسابہ محمد بن قاسم نجفی (وفات سنہ ۷۷۶ھ)

۳۔ الشہید الاوّل المحروق محمد بن جمال الدین صاحب کتاب "لمعہ فی الفقہ" (شہادت سنہ ۷۸۶ھ)

۴۔ کتاب "لمعہ فی الفقہ"

۵۔ شہیدِ ثانی شیخ جلیل زین الدین علی بن محمد صاحب کتاب شرح لمعہ (شہادت سنہ ۹۶۶ھ)

(۳۹)

تھے ان سے پہلے علی حائریؒ[1] وہ شیخ اجل
تھے جنکے وقت میں بس ایک وہ ہی ان کا بدل
کہ جیسے ایک تھے مقدادؒ[2] فاضل وافضل
وہ ایک "کنز[3] تھا عرفاں" کا جن کے زیر عمل
پھر اک محقق حق جو علیؒ[4] کرکی تھے
پھر احمد[5] ابن محمدؒ جو اردبیلی تھے

---

[1] زین الدین شیخ فقیہ ابوالحسن علی حائری (وفات ۸۳۰ھ)
[2] فاضل مقداد ابو عبداللہ المقداد۔ صاحب کتاب "کنز العرفان" نجفی بغدادی (وفات ۸۲۶ھ) [3] کتاب کنز العرفان
[4] ثقۃ الاسلام نورالدین علی بن عالی المحقق کرکی (وفات ۹۳۷ھ)
[5] مولانا احمد بن محمد اردبیلی مدفون نجف اشرف (وفات ۹۹۳ھ)

(٤٠)

وہ ایک ابنِ[۱] محمد جو شارحِ "کافی"[۲]

پھر ایک شیخِ بہائی[۳] نظیر جنکی نہ تھی

تھے دو وہ مجلسیٔ مجلسِ علومِ نبیؐ

پسر کا نام تھا باقر[۴] پدر کا نام تقی[۵]

دلوں میں ان کی "حیات القلوب"[۶] کا گھر ہے

"بحار"[۷] ہے کہ اک انوار کا سمندر ہے

۱۔ عالمِ جلیل محمد علی بن محمد شارحِ "اصولِ کافی" (وفات سنہ ۱۰۰۰ھ)

۲۔ کتاب "اصولِ کافی"

۳۔ محمد بن حسین شیخ الاسلام شیخ بہائیؒ (وفات سنہ ۱۰۳۱ھ)

۴۔ شیخ الاسلام علامہ مجلسی محمد باقر صاحبِ کتاب "بحار الانوار" (وفات سنہ ۱۱۱۱ھ)

۵۔ زاہد و عابد محمد تقی مجلسی اول (وفات سنہ ۱۰۷۰ھ)

۶۔ کتاب "حیات القلوب" از علامہ مجلسیؒ

۷۔ کتاب "بحار الانوار" از علامہ مجلسیؒ۔ جلد ۳۵)

(۴۱)

محمد ابنِ حسن وہ جو فاضلِ ہندی[1]

جمالِ دینِ محمد جناب خونساری[2]

بہائے گوہرِ تحقیق بہبہانی[3] بھی

وہ جعفر ابن خضر[4]، اہلِ کشف[5] سی ہستی

یہ مہر و ماہ تھے وہ علم جن کا ہالا تھا

انہیں کے نور سے چاروں طرف اجالا تھا

---

[1]. فاضل ہندی شیخ جلیل محمد بن حسن صاحبِ کتاب کشف اللثام
(وفات سنہ ۱۱۳۷ ھ)

[2]. آقا جمال الدین خونساری (وفات سنہ ۱۱۵۵ ھ)

[3]. محقق بہبہانی محمد باقر (وفات سنہ ۱۲۰۸ ھ)

[4]. شیخ اکبر جعفر بن شیخ خضر نجفی مصنف کشف الغطاء
(وفات سنہ ۱۲۲۸ ھ)

[5]. کتاب "کشف الغطاء"

(٤٢)

نجف میں مشہد و قم کی فضا میں آٹھ پہر
اس آسماں پہ چمکتے تھے کتنے شمس و قمر
مگر نہ تھا کوئی ہندوستاں میں علم کا در
جہاں سے نورِ ہدایت کا پاتے اہلِ نظر

دیارِ ہند کو تاریکیوں نے گھیرا تھا
یہاں ہر ایک طرف جہل کا اندھیرا تھا

(۴۳)

تھے اس دیار میں کہنے کو پیروانِ علیؑ
تھے اجتہادؔ سے ناواقف اہلِ علم سبھی
کوئی فقیہہ تھا ایسا نہ مجتہد کوئی
بتاتا ان کو جو احکام فقہی و شرعی

بس اتنا تھا کہ نبیؐ و علیؑ کو مانتے تھے
عوام دین کے بارے میں کچھ نہ جانتے تھے

لے۔ بارھویں صدی ہجری کے اواخر تک ہندوستان میں کوئی شیعہ عالم ایسا نہیں ہوا تھا جو درجۂ اجتہاد پر فائز ہو۔

(۴۴)

تھے اپنی قوم میں رائج طرح طرح کے رسوم
تھی شیخ سدو و احمد کبیر کی اک دھوم
نمازِ جمعہ سے بیگانہ ، فقہ سے محروم
نہ رازدانِ شریعت نہ آشنائے علوم
تھے غرق کچھ تو اِدھر صوفیت کے ساغر میں
پھنسے تھے کچھ اِدھر اجباریت کے چکر میں

ا۔ شیعوں نے دیگر مذاہب کے رسوم اختیار کیئے ہوئے تھے۔ اور شیخ سدو کا بکرا ، احمد کبیر کی گائے ، میراں جی کے گلگلے اور بھوانی جی کی منتیں ان میں عام تھیں۔

(۴۵)

یکایک آ گیا قدرت کو رحم ملّت پر
کرن امید کی تاریکیوں میں آئی نظر
اُس آفتاب کو لے کر ہوئی طلوع سحر
ہے جس کی روشنی برِّصغیر میں گھر گھر
جسے سب اہلِ نظر آفتاب کہتے ہیں
اُس آفتاب کو غفرانمآبؒ[1] کہتے ہیں

(۴۶)

یہ آفتاب جو اک شمع سا ہوا روشن
یہ ایک پھول جو مہکا مثالِ مشکِ ختن
حصولِ علم کی دل کو لگی ہوئی تھی لگن
گیا نجف کو جو یہ پھول، یہ چراغِ وطن
ہوائے باغِ "سلونی" ملی گلاب ہوا
نجف کی خاک سے چمکا تو آفتاب ہوا

---

[1] جناب مولوی سید دلدار علی غفرانمآبؒ (ولادت ۱۱۶۶ھ وفات ۱۲۳۵ھ)

(۴۷)

فقیہہ و مجتہدؔ عالم و مجدّدِ دیں
وہ رہرو رہِ حق رہنمائے راہِ یقیں
وہ اِک فقیر کہ زیرِ قدم تھے تاج و نگیں
وہ ایک شخص کہ جس کا کوئی جواب نہیں
وہ ایک پھُول کہ اس جیسا کوئی باغ نہ تھا
وہ ایک چاند کہ جس میں کہیں بھی داغ نہ تھا

(۴۸)

دیارِ ہند میں وہ مجتہد ہوا پہلا
کہ اِس سے پہلے کوئی اور مجتہد نہ ہُوا
بڑا شرف ہے یہ اس کے لیئے قسم بخُدا
کسی کو جو نہ ملے گا کسی کو جو نہ مِلا
زمین کا یہ شرف ہے نہ آسمان کا ہے
کہ "اجتہاد" تو جنّد واِس کے خاندان کا ہے

لہ۔ جناب ظفر الملت کے خاندان کو "خاندانِ اجتہاد" کہا جاتا ہے۔

(۴۹)

نصیرؔ آباد سے جب یہ نصیرِ دیں اٹھا
حصولِ علم کو پہنچا دیارِ کرب و بلا[1]

وہاں سے چل کے درِ شہرِ علم تک پہنچا[2]
پھر اس کے بعد تھا یہ اور درِ امامِ رضاؑ[3]

وہاں سے علم کا اک سیلِ رنگ و بو لایا
یہ آفتاب جو پلٹا تو لکھنؤ آیا

[1] جنابِ غفرانمآبؒ کے مورثِ اعلیٰ سید نجم الدین سبزواری سے سالار مسعود غازی کے ساتھ ایک فوج کے سردار کی حیثیت سے ہندوستان تشریف لائے اور ضلع رائے بریلی میں قصبہ ٹپاک پور کو فتح کر کے اس کا نام "جائے عیش" رکھا جو کثرتِ استعمال سے "جائس" مشہور ہو گیا۔ پھر آپ ہی کی اولاد میں سے سید زکریا نے قلعہ مظفر نگر کو فتح کر کے اس کا نام اپنے بزرگ سید نصیر الدین کے نام پر "نصیر آباد" رکھا۔ اسی نصیر آباد (یوپی، ہندوستان) میں سنہ ۱۱۶۶ھ میں ایک شب جمعہ جناب سید دلدار علی غفرانمآب کی ولادت ہوئی۔ وہیں ان کی نشو و نما اور ابتدائی تعلیم مکمل ہوئی۔

[2] جنابِ غفرانمآبؒ نے ہندوستان کے مختلف علمی مراکز میں تحصیلِ علم کے بعد تکمیلِ علم کے لیے پہلے کربلائے معلیٰ کا سفر اختیار کیا۔ وہاں سے حصولِ علم کے بعد نجف اشرف میں تحصیلِ علم کی اور پھر مشہد مقدس میں اکتسابِ علوم کیا اور وہاں سے واپسی پر لکھنؤ میں مستقل قیام کیا۔

[3] نجف اشرف [4] مشہد مقدس۔

نوٹ: یہ بند نسخۂ دہلی میں شامل ہونے سے رہ گیا تھا۔

(۵۰)

انہیں کے دم سے تو آئی وہ لکھنؤ میں بہار
ہے جس سے چہرۂ ملت پر آج تک یہ نکھار
ہوئی اِس ابرِ کرم سے وہ علم کی بوچھار
کہ فیضیاب ہوا جس سے ہر جوار و دیار
یہاں یہ مشک جو مہکا تو بُو ختن پہنچی
کھِلا یہ پھُول تو خوشبو چمن چمن پہنچی

(۵۱)

وہ اِن کا سلسلۂ درسِ علمِ آلِ نبیؐ
علومِ دیں کی کوئی راہ جس میں بند نہ تھی
زبانِ حال سے شاگرد کہہ رہے تھے سبھی
کہ مدرسہ نہ تھی اک جامعہ تھی ذات انکی
علوم موجزن اتنے کچھ ان کے اندر تھے
وہ جیسے علم کا دریا نہ تھے سمندر تھے

(۵۲)

تھے ان کے سیکڑوں شاگرد جیسے یادِ علی[1]
خلیل[2] و کاظم[3] و عبد العلیِ[4] دیو کھٹوی
علی شریف[5] و علی نقیِ[6] قزوینی
جواد[7] و زین[8] و محمد قلی[9] کنتوری
وہ سیکڑوں ہیں کہاں تک گِناؤں نام انکے
ہیں ثبت مصحفِ علم و عمل میں کام ان کے

---

[1] مولوی یاد علی نصیر آبادی مفسر قرآن [2] مرزا محمد خلیل جناب غفرانمآبؒ کے بہت عزیز شاگرد تھے ان کے انتقال پر اپنے تاثرات کا اظہار غفرانمآبؒ نے عماد الاسلام کے دیباچہ میں کیا ہے۔ [3] محقق کابل مرزا کاظم علی جناب غفرانمآبؒ کے قدماے تلامذہ میں سے تھے۔ مولانا احمد علی صاحب محمد آبادی نے جناب غفرانمآبؒ سے پہلے انہیں کی شاگردی اختیار کی تھی۔ اپنی کتاب "سفر السعادۃ" میں ان کا ذکر کیا ہے۔

[4] مولانا سید عبد العلی دیو کھٹوی جو فیض آباد کے خاندان پیش نمازکے مورث اعلیٰ ہیں [5] حکیم مرزا علی شریف محشی کتب کلامیہ و طبیہ و مصنف رسالہ طبیہ [6] ملا علی نقی قزوینی [7] مرزا جواد علی صاحب [8] مرزا زین الدین احمد خاں عرف مرزا محسن صاحب۔ آپ ادب اور عروض و قوافی کے فن میں ماہر تھے [9] مفتی محمد قلی صاحب موسوی نیشاپوری کنتوری، جناب مولانا سید حامد حسین صاحب مصنف "عبقات" کے والد بزرگوار اور جناب ناصر الملت کے جدِ امجد تھے۔ علم کلام میں خاص پایہ رکھتے تھے۔ تحفہ کے متعدد ابواب کی رد میں تشئید المطاعن، تقلید المکائد اور سیف ناصری وغیرہ آپ کی کتابیں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔

(۵۳)

تھے اِن کے جتنے بھی شاگرد باکمال ہوئے
جو کچھ تھے ماہرِ علمِ کلام[۱] مثل ان کے
تو کچھ ریاضی[۲] و ہیئت میں منفرد نکلے
کوئی مناظرہ[۳] کے فن میں بڑھ گیا سب سے
کسی نے سندِ علمِ حدیث پائی تھی
کسی کی عالمِ تفسیر[۴] میں خدائی تھی

۱۔ مثلاً جناب سلطان العلماء ابنِ جناب غفرانمآبؒ اور جناب مفتی محمد قلی کنتوری صاحب۔
۲۔ مثلاً سید نظام الدین حسین صاحب۔
۳۔ مثلاً سبحان علی خان صاحب وغیرہ۔
۴۔ مثلاً مولانا سید علی صاحب، خلف جناب غفرانمآبؒ۔ اردو میں پہلے مفسر اور مولوی یاد علی صاحب

(۵۴)

علاوہ تربیت و درسِ علمی و دینی
بڑی عظیم کتب ہیں لکھی ہوئی اُن کی
عمادؔ[۱] ہے کہ مرآۃ عقول[۲] کا کوئی
عجب کتاب یہ علمِ کلام میں لکھ دی
جہانِ علم میں بے مثل و لاجواب ہے یہ
بڑی عظیم بڑی بے بہا کتاب ہے یہ

[۱]
علمِ کلام میں جناب غفرانمآبؒ کی وہ معرکۃ الآراء کتاب "عماد الاسلام" جس کی نظیر پورے عالمِ اسلام میں نہیں ہے۔

[۲]
مرآۃ العقول "عماد الاسلام" کا اصلی نام ہے۔

(۵۵)

تمام عالمِ اسلام میں کوئی بھی کتاب

کلام میں ہو جو بے مثل و نادر و نایاب

نہیں ضخامت و عظمت میں کوئی اس کا جواب

وہ مسجدیں تو یہ کعبہ، وہ صحن یہ محراب

جو ان کے علم پہ لازم دلیلِ شافی ہے

کلینیؔ آپ کہیں یہ کتاب "کافی" ہے

ا؎
شیخ کلینی کی
عظیم تصنیف اصولِ کافی"

(۵۶)

علاوہ اس کے لکھی ہیں کتب عظیم کئی
انہیں میں ایک "اساس الاصول" بھی ٹھہری
بہ ردِ صوفیہ ان کی "شہاب ثاقب" تھی
پھر ایک ردِ نصاریٰ میں بھی کتاب لکھی
وہ "ذوالفقار" جو "تحفہ" کے سر پہ آئی تھی
"حسام" اور "صوارم" بھی ساتھ لائی تھی

۱؎ شاہ عبدالعزیز کی مشہور کتاب تحفۂ اثنا عشریہ
۲؎ ۳؎ ۴؎ تحفۂ اثنا عشریہ کے مختلف ابواب کے جواب میں جناب غفرانمآبؒ کی مختلف تصنیفات

(۵۷)

بہت سی اور کتابیں ہیں نادر و نایاب
نہیں ہے علم کی دنیا میں جن کا کوئی جواب
علاوہ اس کے کیئے ہیں وہ کارہائے صواب
کوئی ثواب کا جن کے نہیں ہے حد و حساب
انہیں میں دین کی تبلیغِ عام شامل ہے
نمازِ جمعہ کا ان میں قیام شامل ہے

(۵۸)

تھی ہند میں نہ جماعت نہ جمعہ ہی کی نماز
نہ کوئی صف تھی نہ محمود تھا نہ کوئی ایاز
اٹھا جو اِن کی بنا ڈالنے پہ بندہ نواز
صفیں درست ہوئیں سن کے آپکی آواز
نمازِ جمعہ کا غل تا بہ شش جہات ہوا
بلند نعرۂ قد قامت الصلوٰۃ ہوا

(۵۹)

یہ اک جماعت وجمعہ کا بن گیا جو نظام
رہے گا تا بہ قیامت وہ کر گئے ہیں یہ کام
نمازیں جتنی بھی ہوں گی یہ تا ظہورِ امامؑ
جبیں پہ ان کی چمکتا رہے گا آپ کا نام

خدا سے اجر بھی یہ بے حساب پائیں گے
یہ ان کا تا بہ قیامت ثواب پائیں گے

(۶۰)

اسی طرح سے یہ مظلوم کی عزاداری
انہیں کے دم سے یہاں ہر طرف ہوئی جاری
عزاء بھی قوم کے حق میں جو وجہِ بیداری
جلائی آتشِ غم کی دلوں میں چنگاری
قلم علم کیا پیغامِ کربلا کے لیئے
امامؑ باڑے بنائے صفِ عزاء کے لیئے

لے لکھنؤ کا مشہور امام باڑہ اور مرکزِ عزاء یعنی امام باڑہ غفران مآب انہیں کی تعمیری کوششوں کا عملی ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ ایک امام باڑہ نصیر آباد میں تعمیر کروایا جس کے اب آثار ہی باقی رہ گئے ہیں۔

(۶۱)

بہت اہم ہے یہ کام اِن میں آپ نے جو کیے
نظامِ فقہ کی ترویج کو جناب اُٹھے
جنہیں تھا شوق انہیں تعلیم و تربیت دیکے
مبلّغین کُل اطرافِ ہند میں بھیجے
کوئی شمال و جنوب اور کوئی دکن کو گیا
یہاں جو پھول کھلا دوسرے چمن کو گیا

(۶۲)

یہ لکھنؤ جو بنا مرکزِ عُلوم و عزاء
شرف اسے یہ خدا کے کرم سے ہاتھ آیا
کہ خوشہ چیں ہوا برصغیر کُل اس کا
ہو فیض آباد کہ دلی، دکن کہ امروہہ
یہیں سے دین کی دولت سبھی نے پائی ہے
اسی کی علم میں شاگرد کُل خدائی ہے

(۶۳)

وہ درس اور وہ تصانیف وہ فروغِ عزاؑ
رسومِ بد کی وہ اصلاح، فقہ کا اجراء
وہ صوفیت ہو کہ اخباریت کا ہو فتنہ
ہر اک محاذ پہ باطل سے وہ جہاد ان کا
یہ اتنے کام اور اک ذات اس کو کیا کہیئے
بس ایک جذبہ و ہمت کا معجزہ کہیئے

(۶۴)

انہیں کے علم کی عظمت انہیں کا جوشِ عمل
تھا ان کی آل کو راہِ حیات میں مشعل
تھے جیسے علم و عمل میں وہ کامل و اکمل
ہوئے پسر بھی اسی طرح اک سے اِک افضل
کرم تھا حق کا حسینؑ و حسنؑ کے صدقے میں
کہ پانچ بیٹے ملے پنجتنؑ کے صدقے میں

(٦٥)

بڑے تھے سب سے جو سید محمدؒ حق بیں
انہیں کو کہتے ہیں رضواں مآب اہلِ یقیں
تھا سر پہ تاج نہ کچھ بر میں خلعتِ زریں
مگر جلالتِ علمی سے ہل رہی تھی زمیں
جہانِ علم میں ان کے شرف مسلّم تھے
دیارِ ہند میں عالم نہ تھے وہ اعلم تھے

۱؎ سلطان العلماء رضواں مآب سید محمد خلفِ اکبر غفرانمآب (ولادت ۱۷ صفر ۱۱۹۹ھ مطابق ۱۷۸۴ء وفات ۲۲ ربیع الاوّل ۱۲۸۴ھ مطابق ۲۵ جولائی ۱۸۶۷ء از تاریخ سلطان العلماءؒ)

(۶۶)

عجب یہ مرتبہ رضواں مآبؒ نے پایا
یہ خوابؒ حضرتِ غفرانمآبؒ نے دیکھا
امامِ عصرؑ نے ارشاد ان سے فرمایا
رہے گا میری کفالت میں یہ ترا بچہؒ
نہ کیوں پھر ان کے مراتب جلیل ہو جائیں
امامِ عصرؑ جو ان کے کفیل ہو جائیں

(۶۷)

پسر تھے دوسرے سید علیِ علم شعار
تھا جن سے گلشنِ علم و عمل میں جوشِ بہار
بڑھایا آپ نے اردو کا اس جہاں میں وقار
اسی زبان میں تفسیر لکھ کے پہلی بار
یہ معجزہ تھا انہیں کا جہانِ اردو میں
زبانِ وحی کو ڈھالا زبانِ اردو میں

لے : تاریخ سلطان العلماء صفحہ نمبر ۱۷

(۶۸)

پھر ان کے بعد وہ سیّد حسنؒ بہشت مآب
گلِ ریاضِ شریعت، خلیلِ باغِ صواب
لکھی ہے آپ نے علمِ کلام میں وہ کتاب
کہ جس سے پہلے تھا اُردو میں یہ سخن نایاب
ہے ایک ساغرِ قندو نبات اُردو میں
کہ صالحات کے ہیں باقیاتؔ اُردو میں

ؔ "باقیات الصالحات" اُردو میں علمِ کلام کی پہلی کتاب جو مولوی سید حسنؒ صاحب خلفِ جناب غفرانمآبؒ نے لکھی۔

(۶۹)

جنابِ سیّدِ مہدیؒ وہ گوہرِ نایاب
سدھارے خلد بریں جو بہ عنفوانِ شباب
تھی ان کی موت پہ فطرت بھی اسطرح بیتاب
گہن میں آگیا تھا آفتابِ عالمتاب

وہ خود جوان نہ تھے علم کا شباب تھے وہ
شباب میں بھی فقیہوں میں لاجواب تھے وہ

(۷۰)

پسر تھے پانچویں سید حسینؒ فخرِ زماں
لقب جہاں میں ہوا جن کا "علیین مکاں"
وہ سید العلماء، عالمانِ دہر کی جاں
علومِ دین و شریعت کا بحرِ بے پایاں
دیا یہ اوج شہِ مشرقین نے ان کو
خود اپنا نام دیا ہے حسینؑ نے اِن کو

۱ جناب غفرانمآبؒ نے اپنی تمام اولاد کا نام حضرات معصومینؑ کے اسمائے مبارکہ کی ترتیب کے مطابق رکھا تھا۔ چنانچہ سب سے بڑے فرزند سلطان العلماء کا نام سید محمد ان سے چھوٹے کا نام سید علی، پھر سید حسن اور ان کے بعد خلافِ ترتیب سید مہدی نام رکھا تو خواب میں سید الشہداء حضرت امام حسین کی زیارت کی کہ وہ فرماتے ہیں کہ تم نے پہلے ترتیب کا لحاظ کیا۔ مگر اس فرزند کے نام میں اس سے قطع نظر کر لی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے عرض کیا کہ یہ فرزند اس وقت پیدا ہوا جب مجھ پر پیری غالب آچکی ہے۔ مجھے امید نہ تھی کہ اس کے بعد کوئی دوسرا فرزند ہوگا۔ حضرت نے فرمایا، یہ خیال درست نہیں۔ تمہارے یہاں ایک اور فرزند ہوگا۔ اس کا نام میرے نام پر رکھنا۔ چنانچہ ۱۴ ربیع الثانی سنہ ۱۲۱۱ھ کو سید العلماء سید حسین صاحب کی ولادت ہوئی۔

(سید العلماء حیات اور کارنامے)

۷۱

عظیم خود بھی، مراتب بھی تھے عظیم ان کے
تھے سترہ ہی برس کے کہ مجتہد وہ ہوئے
کوئی ہزار تو شاگرد ہند میں ہوں گے
کہ جن میں مجتہد و مفتی و فقیہ بھی تھے
چمن میں گل تھے، گلوں میں گلاب تھے گویا
وہ اپنے وقت کے غفرانماب تھے گویا

۷۲

علی حسینؒ تھے لعل ان کے، دین کے ناصر
تھے جن کی آل میں مہدی حسین سے ماہرؒ
پھر اس کے بعد وہ اک فخرِ خانداں فاخرؒ
پھر اک مصوّرؒ اور اب اک یہ نام کا ساحر
یہ وجہِ فخر بھی ہے وجہِ عزّ و شان بھی ہے
انہیں کی آل میں یہ ننگِ خاندان بھی ہے

عضد الدین زین العلماء سید علی حسین ابن سید العلماء سید حسین بن غفران مآب۔
آپ کا ایک علمی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے احکام شرعیہ کو اردو میں نظم کر دیا جو تحفۃ العوام کے قدیم نسخوں میں مختلف احکام کے ذیل میں درج ہیں۔

۱؎ جناب مہدی حسین صاحب ماہر جو مرثیہ گوئی میں نہایت بلند مقام رکھتے تھے۔

۲؎۔ جناب مولوی سید اصغر حسین صاحب فاخر اعلی اللہ مقامہٗ ابن مولوی سید باقر حسین صاحب ابن مولوی سید علی حسین صاحب آپ فن شعر میں استاذ الاساتذہ اور صاحب دواوین تھے۔ مرثیہ نگاری میں بھی بطور خاص بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ اپنے چچا حضرت مہدی حسین ماہر کے شاگرد تھے اور اپنے بھانجے دعبلِ ہند حضرت ذاکر اعلی اللہ مقامہٗ کے استاد تھے۔ کثیر التلامذہ تھے۔ اودھ کے خاندانِ شاہی نے خاندانِ اجتہاد سے رشتہ کر کے اپنے لیے جو عزت و عظمت میں اضافہ کی خواہش کی تو نظرِ انتخاب حضرت فاخر پر پڑی اور اسی رشتہ سے ان کے نام کے ساتھ نواب کا اضافہ ہوا۔

(جاری ہے۔ اگلا صفحہ دیکھیے)

مے۔ اس حقیر یعنی سید قائم مہدی ساحر (فاخری) لکھنوی کے والد بزرگوار جناب نواب سید اختر حسین صاحب مصور اعلی اللہ مقامہٗ ابن نواب مولوی سید انور حسین صاحب ابن نواب مولوی سید اصغر حسین صاحب فاخر ابن مولوی سید باقر حسین صاحب ابن مولوی سید علی حسین صاحب ابن مولوی سید حسین صاحب علیین مکان۔ ابن جناب غفران مآبؒ نہایت خوش فکر اور قادر الکلام شاعر تھے۔ تقریباً ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی۔ ۳۔ مارچ ۱۹۶۵ء کراچی سے لکھنؤ واپس جاتے ہوئے لاہور میں انتقال ہوا۔ اور وہیں مومن پورہ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

حضرت صدر اجتہادی مرحوم نے نہایت عمدہ تاریخ وفات کہی

آہ اے چرخ ستم ایجاد، تیرے دور میں
"کھو گیا اب اختر شام اودھ لاہور میں"

۱۹۶۵ء

(۷۳)

تقیؒ بھی لعل تھے سیّد حسینؒ کے وہ عظیم
جو عالموں میں تھے ممتاز قوم میں تھے زعیم
پھر ان کے نورِ نظر یعنی سیّد ابراہیمؒ
تمام قوم کی نظروں میں واجب التعظیم
وہ ایک شمس لقب بے مثال عالِم تھے
جدید دَور میں روشن خیال عالِم تھے

لے ممتاز العلماء جنّت مآب مولوی سیّد محمد تقی ابنِ علیین مکاں سیّد حسین صاحب طاب ثراہ (ولادت ۱۶ جمادی الاوّل ۱۲۳۳ھ وفات: رمضان المبارک ۱۲۸۹ھ) شمس العلماء فردوس مکاں مولانا سیّد ابراہیم صاحب جنہوں نے روشن خیال مکتبِ فکر کی بنیاد ڈالی. انگریزوں نے آصفی امام باڑہ اور اہلسنّت حضرات کی مشہور ٹیلے کی مسجد پر قبضہ کر لیا تھا. وہ آپ ہی کی کوششوں سے واگذار ہوئے.

(۷۴)

انہیں کے لعل جناب ابوالحسنؒ جو ہوئے
وہ عالموں میں بھی ممتاز[1] مانے جاتے تھے
عطا ہوا وہ پسرؔ[2] اُن کو درگہِ حق سے
کہ جس نے گاڑ دیئے اپنے علم کے جھنڈے
زمینِ جہل کے طبقے ہلا دیئے جس نے
جہانِ علم میں ڈنکے بجا دیئے جس نے

[1] ممتاز العلماء مولانا سید ابوالحسن صاحب ابنِ شمس العلماءؒ جناب سید ابراہیم صاحب طاب ثراہ۔

[2] سرکار سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب اعلی اللہ مقامہ ابنِ ممتاز العلماء سید ابوالحسن صاحب ابنِ شمس العلماء سید ابراہیم صاحب ابنِ ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب ابنِ سید العلماء سید حسین علیین مکان ابنِ جناب غفرانمآبؒ۔

(۷۵)

وہ ودکراسم مبارک علی نقی جس کا
وہ اجتہاد کا پیکر، وہ علم کا پتلا
وہ ایک چاند جو برصغیر میں چمکا
وہ اک وجود جو بزم جہاں کی زینت تھا
چمن میں دہر کے پھول اک کھلا ہوا جیسے
جبینِ وقت پہ جھومر سجا ہوا جیسے

(۷۶)

جناب حضرتِ غفرانمآبؒ نے گوندھی
جو اجتہاد[1] کے تابندہ موتیوں کی لڑی
مثال ان کی جو تسبیح میں امام سی تھی
یہ اس لڑی کا ضیاء بار پانچواں موتی
یہ ایک گل ہی گلستاں، یہ جزو میں کل تھا
یہ اجتہاد کی تاریخ کا تسلسل تھا

---

[1] ملاحظہ کیجئے بند نمبر ۴، کا نوٹ

(۷۷)

وہ ان کی راہ جو غفرانمآبؒ کا جادہ
عروسِ علم کے دلدادہ[1]، یہ دِل دادہ
تھا ان کا ساغرِ دل، ان کی فکر کا بادہ
جو اِن کی مسندِ علمی وہ ان کا سجادہ
قبائے علم انہیں کی تھی ان کی قامت پر
بجا ہے ناز جو ہو ان کو اِس نیابت پر

(۷۸)

جناب مولوی سیّد علی نقی جیسا
بہت ہی کم کوئی عالم یہاں ہوا ہوگا
وہ اہلِ علم کی نظروں میں سید العلمائؒ
وہ اہلِ حق کے لیئے آیت اللہ العظمیٰ
حسینیت میں وہ اِک فکرِ نو کے بانی تھے
جہانِ علم میں اللہ کی نشانی تھے

---

[1] جناب غفرانمآبؒ کا اسم گرامی سیّد دلدار علی تھا۔

(۷۹)

درِ یگانۂ دوراں ، وحیدِ عصر و زماں
فرشتہ خو ، متحمل مزاج ، نرم زباں
شریف و شاکر و شائستہ و شرف ساماں
بڑے حلیم بڑے رکھ رکھاؤ کے انساں
علی تھے ، علم کی دنیا کے انقلابی تھے
نقی تھے ، پاک تھے ، خالص تھے ، بوترابی تھے

(۸۰)

مفسرین کے سردار ، سید العلماء
محققین کے سالار سیّد العلماء
کتب کے ہمدم و غمخوار سیّد العلماءؒ
قلم کا دیدۂ بیدار سیّد العلماء
زبان اور قلم میں عمل کا رشتہ تھے
بشر کے بھیس میں اک علم کا فرشتہ تھے

(۸۱)

غلامِ حیدرِ کرار سیّد العلماء
دلیر و صابر و خود دار سیّد العلماء
زبانِ ہند میں اوتار سیّد العلماء
ہمارے آپ کے سرکار سیّد العلماء

عمل کی جان تھے روحِ روانِ علم تھے وہ
زمینِ جہل پہ اک آسمانِ علم تھے وہ

(۸۴)

وہ افتخار صدوقؒ و کلینیؒ دوراں
مفیدؒ و مجلسیؒ و طبرسیؒ کی روحِ رواں
جناب حضرت غفرانمآبؒ کا ارماں
وہ خوئیؒ اور خمینیؒ کے پائے کا انساں
وہ نائینیؒ[1] و عراقیؒ[2] کے دل کا چین ہوا
نجف کے حوزۂ علمی کی زیب و زین ہوا

[1] آیت اللہ العظمیٰ آقائے میرزا محمد حسین نائینیؒ استاد سرکار سید العلماء طاب ثراہ۔
[2] آیت اللہ شیخ ضیاء الدین العراقیؒ، استاد سید العلماء طاب ثراہ۔
نوٹ: "اس بند پر غلو کا الزام ہے، مگر میں حوزۂ علمیہ نجف اشرف میں ان کے احترام اور آقائے نائینیؒ جیسے اساتذہ کی نظر میں ان کی منزلت نیز اجازاتِ اجتہاد کے عبارات اور ان کے تبحر علمی اور اعلیٰ سیرت و کردار کی بناء پر اس الزام کو درست نہیں سمجھتا" (ساحر)

(۸۳)

جہانِ علم کا وہ آفتابِ فکر و نظر
وہی تو تھا سببِ انقلابِ فکر و نظر
عدوئے علم کے حق میں عذابِ فکر و نظر
پڑھے لکھوں کیلئے اک کتابِ فکر و نظر
وہ کیا جئیں گے جو بھٹکیں سدا سرابوں میں
وہ کیا مرے گا جو زندہ رہے کتابوں میں

(۸۴)

جو زیبِ خاتمِ ملت تھا وہ نگینۂ علم
زعیمِ قوم، گدائے درِ مدینۂ علم
وہ اس کا سینۂ بے کینہ اک دفینۂ علم
وہ اس کا دل تھا کہ گویا کوئی خزینۂ علم
وہ بحرِ ظرف کے کوزہ میں جو سما نہ سکے
نگاہِ جہل کبھی جس کی تھاہ پا نہ سکے

(۸۵)

وہ اُن کا منطق و تاریخ و فلسفہ کا شعور
حدیث و فقہ و کلام و ادب پہ اُن کا عبور
یہاں سے بڑھ کے عرب اور عجم میں تھا مشہور
مگر نہ علم پہ غرّہ نہ عظمتوں پہ غرور
ہے نام اِن کا کہ عظمت کا اِک جریدہ ہے
جو حرف اِس میں ہے وہ آپ کا قصیدہ ہے

(۸۶)

عیاں ہے "ع" سے یہ علم کا شباب تھے وہ
لکھا ہے "ل" نے لاریب لاجواب تھے وہ
یقین "ی" کو ہے یکتا دُرِ خوش آب تھے وہ
ہے نقل "ن" سے نایاب و نامیاب تھے وہ
ہے قول "ق" کا قبلہ گہہ زمانہ تھے
ہے "ی" سے یہ کہ وہ اس دَور میں یگانہ تھے

(۸۷)

وہ دَور جس میں کھِلا تھا علوم کا یہ کنول
بہت تھے عالِمِ دیں اِس میں، اک سے اِک افضل
مگر تھا قوم میں کچھ اِس طرح کا قحطِ عمل
صدا یہ آتی تھی منبر کے دِل سے بھی کہ سنبھل
عمل کی بزم میں سب سر جھکائے بیٹھے تھے
اسی چراغ سے اب لَو لگائے بیٹھے تھے

(۸۸)

فضائے قوم پہ چھائی ہوئی تھی تاریکی
رہِ عمل میں چراغوں کی روشنی کم تھی
ہوئے تھے حرف و قلم جو شکارِ بے عملی
اسی کے دستِ اماں میں انہیں پناہ ملی
سوادِ کم نظراں میں نگاہِ علم تھا وہ
دیارِ جہل میں جائے پناہِ علم تھا وہ

(۸۹)

تھا چُھٹپنے ہی سے ظاہر کہ ہیں بڑوں سے بڑے
بڑوں سے بڑھ گئے جب بھی وہ امتحاں میں پڑے
لکھے جو حرف، ورق پر جواہرات جڑے
کُھلے جو لب سرِ منبر تو منہ سے پھول جھڑے
اٹھی جو فکر کی بدلی تو جا بجا برسی
قلم کو جھٹکا تو الفاظ کی گھٹا برسی

(۹۰)

وہ رہنمائے رہِ باصوابِ علم و عمل
وہ جہل و بے عملی کو جوابِ علم و عمل
تھا کشتِ قوم میں جو قحطِ آبِ علم و عمل
تو جھوم جھوم کے برسا سحابِ علم و عمل
چمن میں علم و عمل کے نہ تھا ذرا پانی
اٹھا یہ ابر تو چھا جوں برس گیا پانی

(۹۱)

ہے کون جس نے خطابت میں طرحِ نو ڈالی
ہے کون، تھا جو شریعت کے باغ کا مالی
قلم سے جس کے تھی کشتِ ہُنر کی ہریالی
وہی علیِ نقی، مدظلہ العالی
وہ اپنے نطق و عمل سے جو کام لیتے تھے
تو کشتِ علم سے ذہنوں کو رزق دیتے تھے

۱؎ یہ لفظ مرنے والوں کے لیئے استعمال نہیں ہوتے۔ مگر ہمارا عقیدہ ہے کہ قولِ معصوم کے مطابق جو جب آلِ محمدؐ میں مر جائے وہ شہید ہے اور قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ جو شہید ہیں انہیں مُردہ مت کہو وہ زندہ ہیں۔ لہٰذا میں نے یہ الفاظ سرکار سید العلماءؒ طاب ثراہ کے لیئے استعمال کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی۔

(ساحر)

(۹۲)

ہوئے جو صدر نشینِ جہانِ اہلِ نظر
نکھارتے ہوئے تہذیبِ مسند و منبر
زباں سے جاری ہوئی موجِ زمزم و کوثر
دِلوں پہ کُھل گئے اک اِک کے شہرِ علم کے دَر
بصارتوں کو بصیرت کی روشنی دے دی
بصیرتوں کو حقیقت کی روشنی دے دی

(۹۳)

خطابت ایسی کہ اغیار بھی مقر ہوں کہ "ہاں"
نظر عمیق، مضامین دقیق، بات آساں
فضائل ایسے کہ ایمان ہو دلوں میں جواں
دلائل ایسے کہ تائید کو بڑھے قرآں
زبان وہ کہ فصاحت نثار ہو جائے
مصائب ایسے کہ دل بے قرار ہو جائے

۹۴

ملے جو اہلِ نظر، علم کے گہر رولے
جہول آئے مقابل تو پھر نہ کچھ بولے
فساد اِن کو نہ منظور تھا، نہ لب کھولے
کہ سیلِ بُغض میں کشتی نہ قوم کی ڈولے
علی کی پیروی اس طرح بھی جو فرض ہوئی
خموشی معنیِ "لَا تُفْسِدُوا فِی الْاَرْض" ہوئی

۹۵

وہ ایک چپ سے بلاؤں کو ٹالنے والا
بھنور میں علم کی کشتی سنبھالنے والا
عمل میں لفظ و معانی کو ڈھالنے والا
حسینیت کا مرقع اجالنے والا
تھا وردِ فکر کا ایک اِک نَفَس حسینؑ حسینؑ
نہ تھی کسی سے غرض اسکو بس حسینؑ حسینؑ

۹۶

تھا اس کا مقصدِ خلقت جو نشرِ کارِ حسینؑ
منائی تیرہ سو اکسٹھ (۱۳۶۱ھ) میں یادگارِ حسینؑ
کہ غیر پر بھی تو قائم ہو اقتدارِ حسینؑ
چمن میں دہر کے ہو بے خزاں بہارِ حسینؑ
زباں سے حسرتِ "یالیتنی"[لہ] پہ صاد کیا
قلم سے نصرتِ شبیرؑ میں جہاد کیا

لہ زیارتِ شہدائے کربلا کا ایک جملہ :
"یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَکُمْ فَاَفُوْزَ مَعَکُمْ"
ترجمہ : کاش میں بھی اس وقت موجود ہوتا تو آپ لوگوں کے ساتھ کامیابی حاصل کرتا۔

(۹۷)

یہی قلم تھا مجاہد کے ہاتھ کی شمشیر
اسی قلم کو بناتے تھے فکر کی زنجیر
اسی قلم سے وہ کرتے تھے حرف کو تسخیر
اسی سے کرتے تھے اغیار کے دلوں کو اسیر
وِلا کی بزم میں ابرِ بہار تھا یہ قلم
عدوئے دیں کیلئے ذوالفقار تھا یہ قلم

(۹۸)

اِسی قلم سے لٹائے ہیں وہ دُرِ شہوار
کہ جن کو دیدۂ جوہر شناس ہے درکار
لگا دیئے ہیں مضامینِ نو کے وہ انبار
کہ جن سے مصرِ سخن میں ہے گرمیٔ بازار
نہ دھبّہ لگنے دیا اس کی پارسائی کو
جگر کا خون دیا اس کی روشنائی کو



۹۹

حصولِ مقصدِ دیں میں وہ اسکا استغراق
بہت سے اپنے پرائوں کو تھا بہت ہی شاق
مخالفت میں مخالف اگرچہ تھے مشّاق
اسے ہٹا نہ سکے راہِ حق سے اہلِ نفاق
نگاہِ فکر میں قائم ہے اعتبار اس کا
جہانِ علم سے اٹھا نہ اقتدار اس کا

۱۰۰

وہ دے رہا تھا شبِ جہل کو پیامِ سحر
سکھا رہا تھا اندھیروں کو احترامِ سحر
دوات تھی کہ چھلکتا تھا کوئی جامِ سحر
ورق پہ چال تھی خامہ کی یا خرامِ سحر
وہ روشنائی میں جب بھی قلم ڈبوتا تھا
ہر ایک بوند سے سورج طلوع ہوتا تھا

(۱۰۱)

بشوق ان کی طرف اہلِ علم کا وہ کھنچاؤ
وہ اشتیاقِ سماعت میں مجلسوں کا جماؤ
وہ خشک گفتگوئے فقہ میں ادب کا رچاؤ
وہ نرم نرم سے لہجہ میں گومتی[1] کا بہاؤ
بیاں وہ، ابرِ بہاراں کی بوندیاں جیسے
رواں وہ لفظ کہ چلتی ہوں کشتیاں جیسے

(۱۰۲)

وہ فکر کی ہمہ گیری وہ قوتِ تحریر
کہ تین سو ہیں کتابیں بہ فیضِ ربِ قدیر
ہے یوں تو اپنی جگہ ہر کتاب مہرِ منیر
ہے اپنے رنگ میں یکتا جناب کی تفسیر
سکوتِ فکر میں وہ انقلاب لائی ہے
کہ باغِ علم میں "فصل الخطاب"[2] آئی ہے

[1] دریائے گومتی جس کے کنارے لکھنؤ آباد ہے [2] سرکار رشید العلماء کی تفسیر جس کا نام "فصل الخطاب" ہے

(۱۰۳)

جو تین سو سے بھی کچھ ہیں سوا کتب ان کی
انہیں کتب سے ملے گی حیات انہیں ابدی
ہر اک کتاب ہے آئینۂ علومِ نبیؐ
اِن آئینوں میں ہیں جلوہ نما علیِ نقی
سدا یہ نام جبینِ کتب پہ دمکے گا
یہ آفتاب انہیں آئینوں میں چمکے گا

(۱۰۴)

ہیں ان کی فکر سے روشن ہزار ہا عنواں
کہ جیسے عقل، عبادت، تمدنِ انساں
نظامِ زندگی، پردہ، اصولِ دیں، قرآں
امامت اور خلافت، عقائد و ایماں
ادب بھی، سیرت و تاریخ بھی، وراثت بھی
حسینیت بھی، مذاہب بھی، مادیت بھی

۱۰۵

تھے گرچہ خوف زدہ انکے علم سے اعدا
انہیں کے سفرۂ علمی سے لے رہے تھے غذا
چلا رہے تھے انہیں کے قلم سے کام اپنا
جبھی تو ان کی کتابوں سے آ رہی ہے صدا
میں شہرِ علم سے لایا ہوں اِن نگینوں کو
"خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو"

(میر انیسؔ)

۱۰۶

بڑے غضب کی تھی جوان کی شخصیت میں کشش
تو دل لپکتے تھے بیعت کو انکی بے غل و غش
جبھی تو اہلِ حسد کے دلوں میں تھی وہ خلش
کہ بڑھتے بڑھتے عداوت میں ڈھل گئی رنجش
مگر یہ ظرف تھا ان کا کہ ان پہ تف بھی نہ کی
ہزار ظلم سہے اور منہ سے اُف بھی نہ کی

۱۰۷

اُدھر وہ دعویِٰ باطل وہ حق فراموشی
وہ رفعِ شر کے لیئے اِس طرف خطا پوشی
اُدھر وہ دشنہ دشنام وہ سِتم کوشی
علیؑ شعار اِدھر باوقار خاموشی
اِنہیں نے علِم کی عظمت کو یوں نکھار دیا
مخالفت میں شرافت کو اعتبار دیا

۱۰۸

عجیب جہل نے یہ علِم سے لیا بدلا
کہ ڈالی چاند پہ خاک آسمان پر تھوکا
امیرِ شام کی سیرت پہ کوئی چل نکلا
کسی نے کہہ دیا ان سے یزید اچھّا تھا
ہمارا دین سلامت ہے بعونِ حسینؑ
اُنہیں یزید مبارک ہمیں یہ جونِ حسینؑ

(۱۰۹)

یہ اہلِ علم نے کیسا چلن بنایا تھا
کہ بحثِ علم کو وجہِ محن بنایا تھا
عبا قبا کو لباسِ فتن بنایا تھا
قلم کو دار، زباں کو رسن بنایا تھا
وہ رمزِ علم ستمگر دار کھولتا ہی رہا
مثالِ میثمؒ تمّار بولتا ہی رہا

(۱۱۰)

روایت آپ کی جس پر انہیں کہا کافر
ضعیف ہی سہی، لکھی گئی تو ہے آخر
جو سچ ہے "اِنما الاعمالُ بالنّیات" تو پھر
ہیں ظاہرا تو خدا ہی پہ نیتیں ظاہر
ہیں کون، پیاس پہ رشتہ جو حق سے توڑتے ہیں
اب اس کا فیصلہ ہم تو خدا پہ چھوڑتے ہیں

(۱۱۱)

کچھ اِس سے بڑھ کے کہیں یہ ہمارا طور نہیں
اگرچہ سچ ہے، شرافت کا اب یہ دَور نہیں
کسی کے واسطے کیا یہ محلِّ غور نہیں
رسولِؐ پاک کا منبر ہے یہ کچھ اور نہیں
خدا کرے کہ رہے اعتبار منبر کا
عزیز سب کو ہو دل سے وقار منبر کا

(۱۱۲)

وہی معلم آدابِ مجلس و منبر
وقارِ مجلس و منبر تھا جس کے پیشِ نظر
بشر کے بھیس میں حلمِ حسنؑ کا وہ پیکر
ہر اشتعال پہ اہلِ حسد کے چُپ رہ کر
بتا گیا ہے عمل سے مقام منبر کا
سکھا گیا ہے ہمیں احترام منبر کا

(۱۱۳)

وہی عظیم معلم، وہی عظیم انساں
دلِ شکستہ پہ سہہ کے زخمِ تیغِ زباں
جہانِ ظلم و ستم چھوڑ کر گیا ہے وہاں
تمام دہر کے مظلوم جا بسے ہیں جہاں

اُسی کے غم میں تو آنکھیں یہ اشکبار ہیں آج
اُسی کے سوگ میں ہم آپ سوگوار ہیں آج

(۱۱۴)

فضا میں شور ہے یہ آندھیوں کا جو پیہم
ہے آج یہ لبِ فطرت پہ نوحہ و ماتم
جہانِ علم پہ چھایا ہوا ہے رنج و اَلم
سیاہ پوش ہے قرطاس، اشک ریز قلم
دفورِ غم سے جو کاغذ پہ سر پٹکتا ہے
قلم کی آنکھ سے رِس رِس کے خوں ٹپکتا ہے

نوٹ: سرکار سید العلماء کے انتقال کے وقت نہ صرف لکھنؤ بلکہ دُور دراز تک ایسی زبردست آندھی آئی جیسے آگ کی چنگاریوں کا ایک طوفان امنڈ آیا ہو۔ علیگڑھ میں لوگوں نے یہ منظر دیکھا اور گھبرا کر اپنے مکانوں کی چھتوں سے اتر آئے۔ یاد رہے کہ سید العلماء برسوں علیگڑھ یونیورسٹی میں شعبۂ دینیات کے ڈین اور سربراہ کی حیثیت سے پڑھاتے رہے۔ اور ریٹائرمنٹ کے بعد بھی بحیثیت ریسرچ پروفیسر کام کرتے رہے اور علیگڑھ میں مستقل قیام رہا۔ البتہ ان کا انتقال لکھنؤ میں ہوا۔

۱۱۵

وطن کو چھوڑ گیا وہ، وطن اداس ہے آج
بہار ہو گئی رخصت چمن اداس ہے آج
ہوا جو شست سے خالی ختن اداس ہے آج
وہ لعل کھو دیا ہم نے یمن اداس ہے آج

وہ اٹھ گیا تو کوئی چھاؤں پھر گھنی نہ رہی
وہ بجھ گیا تو چراغوں میں روشنی نہ رہی

(۱۱۶)

ہزار حیف کہ گو موت ہو گئی حائل
ہوا نہ شامیوں سا رنگِ دشمنی زائل
عدو جو آج بھی ایذا رسی پہ ہیں مائل
یہ بعدِ مرگ بھی تیغِ زباں سے ہیں گھائل

ہے سبّ و شتم یہ بعدِ وفاتِ حضرت پر
کہ جیسے تیر چلائیں کسی کی میّت پر

۱۱۷

وہ وقت آئے گا جب ہوگی عام بیداری
جہاں میں ہوگی جب انصاف کی عملداری
حسد سے، بُغض و عداوت سے ہوگی بیزاری
سمجھ میں آئے گی تب سب کی داستاں ساری

نہ لوگ پھر کسی مظلوم کو ستائیں گے
نہ پھر کسی کے جنازے پہ تیر آئیں گے

(۱۱۸)

ہزار حیف کہ یہ نائبِ امامِ انام
وہ ظلم سہہ گئے جن کا ہدف تھے ان کے امامؑ
مکاں جلایا گیا، سب و شتم بھی ہوا عام
عدو نے عید بھی کی بعد مرگِ نیک انجام
یہ وہ ستم ہیں جو مولا علیؑ پہ ڈھائے گئے
کچھ ان پر اور کچھ آلِ نبیؐ پہ ڈھائے گئے

(۱۱۹)

یہ جب ادب سے حضورِ امامِ ہر دو جہاں
زباں پہ لائیں گے حرفِ شکایتِ دوراں
عجب نہیں کہ بصد رنج و بادلِ گریاں
گلے لگا کے یہ فرمائیں شاہِ کون و مکاں
ہمیں ہے علم جو طوفانِ جور و جبر آئے
ہمارے حال پہ رکھو نظر کہ صبر آئے

(۱۲۰)

یہ سبّ و شتم جو تم پر ہے اب سرِ منبر
امیرِ شام نے جاری کیا تھا یہ مجھ پر
لگائے جاتے تھے تیغِ زباں سے وہ نشتر
کہ جن سے ہو گیا چھلنی مرے حسنؑ کا جگر
زباں کے تیر جو تھے زہر میں بجھائے ہوئے
یہ دل پہ سہتے رہے ان کو سر جھکائے ہوئے

(۱۲۱)

دعائیں دے کے کہیں گی یہ فاطمہ زہراؑ
تمہارے گھر کو جلایا گیا، غضب یہ ہوا
مگر وہ میرا مکاں، وہ ہجومِ اہلِ جفا
وہ در، وہ آگ کے شعلے، وہ ظالموں کی صدا
لگا کے آگ، ستم مجھ پہ یہ مزید کیا
گرا کے در مرے محسنؑ کو بھی شہید کیا

(۱۲۲)

بدردِ غم یہ صدا دیں گی زینبؑ کبریٰ
یہ رسمِ عید بقتلِ حسینؑ اب بھی ہے کیا
یزیدیوں نے یہی کربلا میں بھی تو کیا
کہ روزِ قتلِ حسینؑ ان کو روزِ عید ہوا
تھا زیرِ تیغ وہ زہرا کا نورِ عینِ حسینؑ
اُدھر خوشی کے وہ باجے اِدھر حسینؑ حسینؑ

(۱۲۳)

تھی بربریتِ انساں کی وہ عجب روداد
کہ بھیڑیوں نے بھی پایا نہیں وہ رنگِ عناد
ہوئے شہادتِ مظلوم پر یہ خوش جلّاد
دی قتل گاہ میں ایک ایک کو مبارکباد
جب ان کے ہاتھ سے انسانیت شہید ہوئی
تو ان یزید پرستوں کے گھر میں عید ہوئی

(۱۲۴)

کروں یہ عرض جناب علی محمدؐ سے
غضب ہے باپ کا سایہ جو سر سے اٹھ جائے
یہ دیکھئے تو مگر، جب وہ اس جہاں سے اُٹھے
خدا کا شکر کہ بے گور و بے کفن نہ رہے
یہاں یہ ظلم کسی پر ابھی ہوا تو نہیں
یہ لکھنؤ ہے، کوئی دشتِ کربلا تو نہیں

(۱۲۵)

ابھی تو ہیں یہاں انسانیت کے کچھ ہمدرد
ہوئی نہیں ہے ابھی حق کی آگ بالکل سرد
ابھی بہت سے رخوں پر نہیں ہے ظلم کی گرد
بہت ہیں صاحبِ ایماں وہ عورتیں ہوں کہ مرد
ہے نور چہروں پر ایمان کی سند کی طرح
ابھی ہیں لوگ یہاں کچھ بنی اسد کی طرح

ؐ سرکار سید العلماء طاب ثراہ کے فرزند ارجمند جناب علامہ ڈاکٹر علی محمد صاحب قبلہ مدظلہ العالی

(۱۲۶)

یہاں شہید ہو جو کوئی جورِ باطل سے
کسی کا عالمِ غربت میں بھی جو دم نکلے
نہ ملے لباس، نہ بے گور اس کی لاش رہے
یہ لوگ اسکو کفن دے کے دفن کر دیں گے
مگر وہ ارضِ جفا، وہ اَلم نصیب حسینؑ
وہ دشتِ کرب و بلا، وہ مرا غریب حسینؑ

(۱۲۷)

وہ کربلا، وہ لہو کی زمیں، وہ دھوپ کا بن
وہ بعد عصر اک اجڑا ہوا کسی کا چمن
وہ اک نشیب میں اک لاش بے لباس و کفن
وہ اِک جلے ہوئے خیمہ میں اک غریب بہن
وہ ایک بیکس و مجبور و ناتواں بیٹا
کفن بھی دے نہ سکا باپ کو جواں بیٹا

(۱۲۸)

ابھی تو باپ کا سایہ اٹھا ہی تھا سر سے
لٹے، خیام جلائے گئے، اسیر ہوئے
گلے میں طوق تو پیروں میں بیڑیاں پہنے
یتیم بیٹا چلا سیدِ کارواں بن کے
مقامِ رنج و محن کو بصد محن پہ چھوڑا
پدر کی لاش کو بے گور و بے کفن چھوڑا

(۱۲۹)

اسیر ہو کے چلے قتل گاہ سے جو حرم
نظر کے سامنے تھا ایک اک قتیلِ ستم
ہر ایک لاش پہ وہ بیکسوں کا نوحۂ غم
بندھے تھے ہاتھ تو کوئی نہ کر سکا ماتم
سکینہ نہر پہ عمو کے پاس جا نہ سکیں
رباب ننھی سی تربت گلے لگا نہ سکیں

(۱۳۰)

وہ کربلا سے سفر آہ تا بہ کوفہ و شام
اسیرِ طوق و سلاسل وہ دورِ نو کا امامؑ
وہ سر کھلے حرمِ مصطفٰےؐ وہ مجمعِ عام
وہ بے ردائیِ زینبؑ سے عرش پر کہرام
سروں سے مریمؑ و سارہؑ نے پھینک دی چادر
وہ کھل گیا سرِ زہراؑ وہ گر گئی چادر

(۱۳۱)

اُدھر وہ محوِ تماشہ سگانِ دہر تمام
جہول و بدنظر و بے ضمیر و بد انجام
نبیؐ کی آلؑ کے دشمن ملوکیت کے غلام
صدائے طنز کسی کی وہ تا بہ کوفہ و شام
حرم کے ساتھ دشمنِ مشرقین آتے ہیں
بڑھو سلام کو لوگو حسینؑ آتے ہیں

۱۳۲

وہ جوق جوق تماشے کو لوگ آئے ہوئے
حرم نبیؐ کے وہ بالوں سے منہ چھپائے ہوئے
غریب سب عرقِ شرم میں نہائے ہوئے
حیا سے سیدِ سجادؑ سر جھکائے ہوئے

کدھر ہے غیرتِ انساں، یہ ماجرا کیا ہے
ارے حمیتِ آدم! تجھے ہوا کیا ہے

(۱۳۳)

یہیں پہ ختم نہیں بات ساحرِ مضطر
ہزار طرح سے کرتے تھے ظلم بانیٔ شر
سرِ حسینؑ کی جانب کبھی کوئی پتھر
تو بے ردائیِ زینبؑ پہ طنز کے نشتر

تھے سب دشنام کے ناوک جدھر گئے سجادؑ
ہر ایک گام پہ غیرت سے مر گئے سجادؑ

کتب حوالہ و تحقیق

۱۔ نہج البلاغہ۔

۲۔ جناب غفرانمآبؒ از سرکار سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب طاب ثراہ

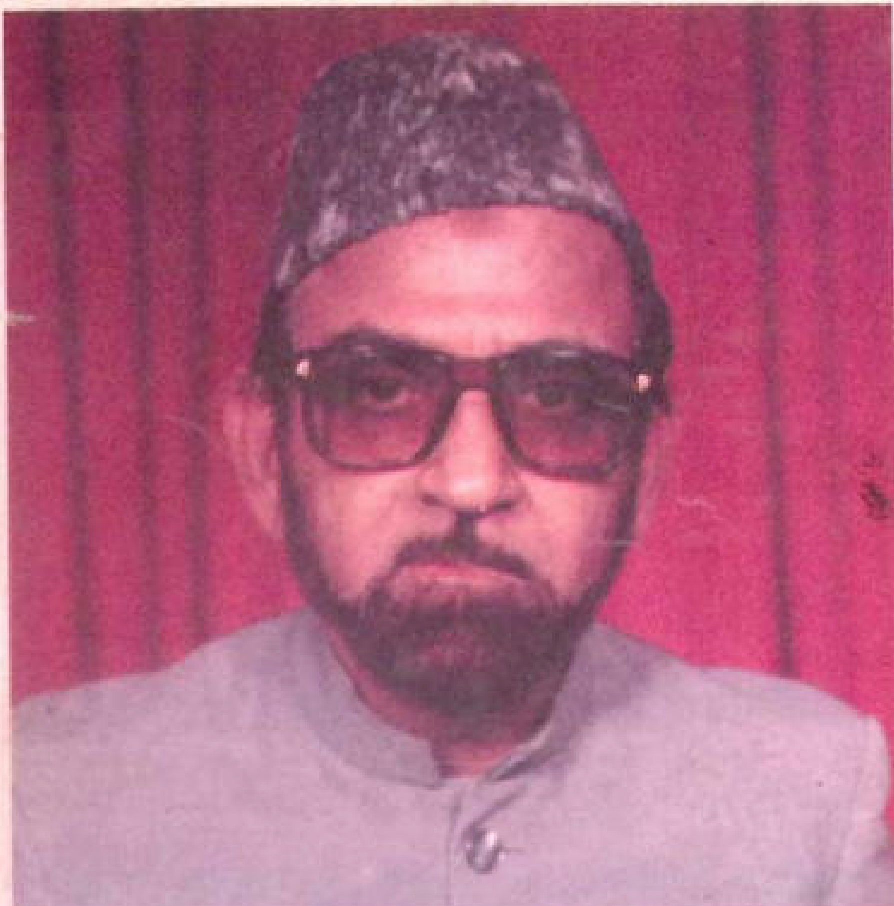
۳۔ تاریخِ سلطان العلماء۔ از جناب مولانا سید آغا مہدی صاحب طاب ثراہ

۴۔ رثاء محسن الحکیمؒ۔ از جناب نسیم امروہوی مرحوم

۵۔ اقتباسات مولانا ابو الکلام آزاد

۶۔ سید العلماء، حیات اور کارنامے۔ از سلامت رضوی

۷۔ یادداشت جناب مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ شمس لکھنوی مدظلہ العالی
(خلف اعلم العلماء مولانا سید سبط حسین صاحب طاب ثراہ)



ساحر کی ادبی بصیرت اور شعری فکر و وجدان کی گہرائی اسی سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اظہارِ ہنر کے لیے جو اصنافِ سخن میں "مرثیہ" کا انتخاب کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ شعور تاریخ اور تہذیب فن کے متوازن طور پر ہم آہنگ ہونے سے جو جدت ان کی یہی جاگتی روپہلی شخصیت ایک آفاقی ادبی بصیرت کا پیکر ہے ——————— علامہ سید عقیل الغروی (دہلی)

جناب ساحر فاخری صفِ اول کے مرثیہ گو اور مرثیہ خواں ہیں۔ علم اور علماء ان کے کمالِ فن کا تازہ نمونہ ہے۔ ڈاکٹر نیر مسعود (لکھنؤ)

"علم اور علماء" ایسا ارمغان ہے یا ہے جسے پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ مصنف کی نظر تاریخ و تہذیب پر کتنی گہری ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر عظیم نقوی

ساحر لکھنوی کا کمال یہ ہے کہ قوتِ نظم میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ ما فی الضمیر کو الفاظ کا جامہ پہنانا کوئی آسان بات نہیں لیکن ان کے مرثیوں کو پڑھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ دست بستہ ان کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں۔ پروفیسر سید محمد مظفر حسن ڈاکٹر جونپوری

آج جبکہ پاکستان میں ایک نئی زبان وجود میں آ رہی ہے۔ ساحر لکھنوی نے اردو زبان کی شیرینی اور دلنوازی کے ایسے ایسے مرقع اس مرثیہ میں پیش کر دیئے ہیں کہ شاعر اور شعر دوستوں کو تسلیم کرنا پڑتا ہے ——————— وحید الحسن ہاشمی